رجسٹرڈ نمبر اے ۱۱۰۴
زیر طبع ہے

استفسارات و جواب

نگار میں مسلسل پانچ سال سے استفسارات وجواب کا سلسلہ قائم ہے اور اس دوران میں سیکڑوں علمی، ادبی اور تاریخی مقالات ایسے فراہم ہوگئے ہیں جو کسی ایک جگہ نہیں نظر آسکتے اب انھیں کتابی صورت میں شائع کیا جا رہا ہے اور گویا یہ جلد ایک سائیکلوپیڈیا کا کام دیگی۔
قیمت اندازاً ۲ روپے (منیجر نگار نظیر آباد لکھنؤ)

نگار

جلد ۱۱ شمار ۴
زیر طبع ہے

جذبات بھاشا

یعنی ہندی شاعری کی لطافت و حلاوت کے بےمثل نمونے مع مفہوم الفاظ و شرح عبارت۔ اردو میں ایسا رنگین و دلچسپ مجموعۂ ادب ہندی شاعری سے متعلق آج تک شائع نہیں ہوا مرتبہ مولانا نیاز فتحپوری۔ قیمت صرف ۱۲ر
منیجر نگار نظیر آباد لکھنؤ

فہرست مضامین اپریل ۱۹۲۷ء

جلد ۱۱	اپریل ۱۹۲۷ء	شمار ۴

ملاحظات	....	۲
ہمایوں	سید عبد السبحان ناظر	۵
کلام مومن	غلام ربانی عزیز	۱۲
میمونہ (افسانہ)	محمد مشہود	۲۶
دین مسیحی یا آفتاب پرستی	محمد خلیل الرحمان	۳۲
شرلاک ہومز (افسانہ)	....	۴۱
قسطاس مستقیم	عترت علی ایزدی	۵۰
اے کاش (نظم)	مخمور	۵۸
علم فراست الید		۶۱
شعراء ہند کا اجتماع (نظم)	نظیر لودھیانوی	۷۱
تضمین غزل ڈاکٹر سر اقبال	محمود زماں خاں	۷۳
عاشق فرزانہ (نظم)	شہاب برنی	۷۵
		۷۶
....		
....		
استفسارات	....	۷۹
تاملات	عبد الکریم خاں	۸۷
معلومات	....	۹۳-۹۶

نگار مشین پریس لکھنؤ میں چھپا
اور منیجر "نگار" نے نظیر آباد لکھنؤ سے شائع کیا

بسم اللہ

نگار

اڈیٹر:۔ نیاز فتحپوری

جلد ۱۱	اپریل ۱۹۲۷ء	شمارہ ۴

ملاحظات

صوبۂ متحدہ میں ہندوستانی اکاڈیمی کے بروئے کار آنے کا علم اکثر حضرات کو ہوچکا ہے اور اس لحاظ سے کہ اردو ہندی ادبیات کی ترقی کے لئے یوپی گورنمنٹ کا صحیح معنی میں یہ پہلا قدم ہے، مجھے بھی اس کا ذکر کرنا چاہئے تھا، لیکن چونکہ یہ تجویز اسوقت تک عملی صورت اختیار نہ کرچکی تھی اس لئے میں نے خاموشی اختیار کی اور منتظر رہا تاآنکہ کوئی اسلوب اس کا قائم ہوجائے چنانچہ ۲۹ مارچ کو لکھنؤ میں گورنر یوپی نے اس کا افتتاح کیا اور ۳۰ کو ڈاکٹر سر تیج بہادر کی صدارت میں اکاڈیمی کا پہلا اجلاس منعقد ہوا۔

حکومت نے ۵۰ ہزار کی سالانہ رقم اردو ہندی کی ترقی کے لئے منظور کی ہے اور ارباب اکاڈیمی کو اختیار دیدیا ہے کہ وہ اُسے بہتر تصنیفات و تالیفات کی فراہمی میں صرف کرے۔ ۳۰ مارچ کے پہلے اجلاس میں جہاں مجھے بھی اکاڈیمی کے ایک ممبر کی حیثیت سے شریک ہونے کی عزت حاصل تھی قابل ذکر کام ایک یہ ہوا کہ موجودہ ممبروں نے کثرت رائے سے ۶ ممبروں کا اور انتخاب کیا جس میں حسرت موہانی بھی شامل ہیں۔ اور دوسرے یہ کہ ایک کمیٹی منعقد کی گئی جو رپورٹ پیش کریگی کہ اس وقت تک اردو

کارخانہ اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ۔ ۱۰۰ سال سے جاری ہے

ہندی زبانوں میں کس قسم کا لٹریچر آچکا ہے اور آئندہ کیا ضرورت ہے جس وقت یہ رپورٹ مرتب ہوکر آجائیگی، اسوقت فیصلہ کیاجائے گاکہ کس قسم کی تصانیف ملک کے ارباب علم سے طلب کی جائیں اور کن لوگوں کو رفقا کی حیثیت سے خاص علمی خدمات پر مامور کیاجائے۔

اکاڈیمی کی تحریک سب سے پہلے خان بہادر حافظ ہدایت حسین نے کونسل میں پیش کی تھی، جسکو رائے راجیشور بلی صاحب وزیر تعلیمات نے پروان چڑھایا اور ڈاکٹر سرتیج بہادر سپرو نے (اکاڈیمی کا مستقل صدر ہونے کی حیثیت سے) اسکی ترتیب وتہذیب میں دلچسپی سے حصہ لیا اور لے رہے ہیں اس لئے یقیناً ملک وقوم کو ان حضرات کا ممنون ہونا چاہئے اور کوشش کرنی چاہئے کہ اکاڈیمی کے مقاصد کو تکمیل کی حد تک پہونچائیں۔

اکاڈیمی کی شعبۂ اردو کے ممبروں میں سے علاوہ مسٹر رشید احمد صدیقی ایم اے کی۔ سر عبدالرؤف صاحب الہ آبادی بھی شریک نہ ہوسکے، لیکن ان کی عدم شرکت نہ غیر متوقع تھی نہ باعث افسوس وہ اس لئے کہ کچھ عرصہ سے وہ دائم المرض ہیں اور یہ اس لئے کہ اُنھوں نے کبھی اردو ادبیات سے دلچسپی لینے کا دعویٰ اس سے قبل نہ کیا تھا، لیکن اس میں کلام نہیں کہ مولوی عبدالماجد دریابادی کا اس میں شرکت اختیار کرنا اور نہ صرف یہ بلکہ گورنر کے استقبال کے لئے دوسرے صف بستہ ممبروں کے ساتھ ملکر کھڑا ہونا، کم از کم میرے لئے ضرور حیرتناک تھا، کیونکہ وہ اس جماعت کی ممبری کو (باوجود اس کے کہ خود ہی اُنھوں نے اس کو قبول کیا تھا) اپنی پیشانی کے لئے بدنما داغ سے تعبیر کرچکے تھے اور میں ڈرگیا تھا کہ اگر صاحب موصوف کا یہی خیال قایم رہا تو وہ یقیناً اس جماعت کے نظام سے کوئی دلچسپی نہ لیں گے اور اسی طرح ہمارا ایک اہم ممبر ہاتھ سے نکل جائے گا۔

لیکن مقام شکر ہے کہ اُنھوں نے اپنے سیاسی معتقدات کو، ادبی ضروریات کے مقابلہ میں غیر مرجح قرار دیا اور زبان کی خدمت میں حصہ لینے کی غرض سے حکومت کی نامزد کردہ جماعت سے عدم تعاون نہیں کیا۔ اکاڈیمی کے ۲۰ ممبروں میں سے جماعت عاملہ کا جو انتخاب ہوا ہے اس میں مسلمانوں یا اردو کی طرف سے سید سجاد حیدر صاحب رجسٹرار مسلم یونیورسٹی، خان بہادر حافظ ہدایت حسین صاحب کانپور اور ڈاکٹر جسٹس سلیمان الہ آباد، نمائندگی فرمائیں گے اور ہماری رائے میں یہ بہترین انتخاب ہے۔

اس سلسلہ میں سب سے زیادہ اہم بات جس کا میں نے اس وقت تک ذکر نہیں کیا اور جس کا آئندہ چلکر ایک مستقل موضوعِ بحث یا نزاعِ کفر ودیں کی صورت اختیار کرلینا غیر ممکن نہیں ہے، سنسکرت اور عربی فارسی الفاظ کے استعمال کا مسئلہ ہے لیکن اگر دونوں جانب سے وہ طرز عمل پیش نہ کیا گیا جس کو سعدی نے "اگر زنجیر باشد بگسلانند" سے تعبیر کیا ہے، تو امید ہے کہ ایک درمیانی راہ ایسی پیدا ہوسکے گی جس پر اردو ہندی لٹریچر کے حامی دونوں ایک ساتھ اس منزل کو طے کرسکیں گے،

حکومت نے اکاڈیمی کے شعبۂ اردو کے لئے جن حضرات کو ممبر کی حیثیت سے نامزد کیا ہے وہ یہ ہیں:۔

کارخانۂ اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے عمدہ عطر منگائیے

۱ــــ پنڈت منوہر لال زتشی۔ ایم۔ اے۔ پرنسپل جوبلی انٹر کالج لکھنؤ
۲ــــ مہدی حسن صاحب ناصری۔ ایم۔ اے۔ ہیڈ ماسٹر گورمنٹ ہائی اسکول بارہ بنکی۔
۳ــــ نعیم الرحمان صاحب ایم۔ اے۔ لکچرار ع.بی فارسی الہ آباد یونیورسٹی
۴ــــ سید ضامن علی صاحب ایم۔ اے۔ لکچرار اردو الہ آباد یونیورسٹی
۵ــــ مسعود حسن صاحب ایم۔ اے۔ ریڈر لکھنؤ یونیورسٹی۔
۶ــــ سید سجاد حیدر صاحب بی۔ اے۔ رجسٹرار مسلم یونیورسٹی علی گڑھ
۷ــــ رشید احمد صاحب صدیقی۔ ایم اے۔ لکچرار اردو مسلم یونیورسٹی
۸ــــ مرزا محمد عسکری صاحب لکھنؤ
۹ــــ نور الحسن صاحب بی۔ اے ال ال بی وکیل لکھنؤ
۱۰ــــ حضرت صفی لکھنوی
۱۱ــــ سر عبد الرؤف الہ آباد
۱۲ــــ پنڈت دیا نرائن نگم کان پور
۱۳ــــ پریم چند صاحب بنارس
۱۴ــــ عبد الماجد صاحب بی اے دریابادی
۱۵ــــ نیاز فتحپوری

گذشتہ ماہ کے رسالہ میں بھی اور اس مرتبہ بھی میں نے یہ سلسلۂ استفسارات صرف ان حضرات کے مضامین شائع کئے ہیں جو حضرت عیسیٰ کے مسئلہ ولادت و وفات میں مجھ سے اختلاف رکھتے ہیں، اب صرف ایک مضمون پروفیسر زبید احمد صاحب کا اور رہ گیا ہے جس میں زیادہ سنجیدگی کے ساتھ میرے دلائل کو رد کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور جو الناظر میں شائع ہو چکا ہے اگر ضرورت ہوئی تو آئندہ مہینے سے بھی شائع کر دونگا اور جون کے رسالہ میں ان سب کا جواب ایک ساتھ دیکر اس قصہ کو ختم کر دوں گا، ورنہ اس کا اقتباس دیتے ہوئے مئی کے رسالہ میں اس کو طے کر دونگا در بہت سے استفسارات کا انبار اتنا ہو گیا ہے کہ اب میں زیادہ وقت نہیں دے سکتا۔

نیاز فتحپوری

ہر قسم کا عطر اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے منگانا چاہئے

ہمایون شہنشاہ ہندوستان

(سنہ ۱۵۳۰ - سنہ ۱۵۵۶ء)

دانشمند برنیر اپنے عہد کے واقعات بیان کرتے ہوئے ایک نقرہ میں سلطنت مغلیہ کی حکمت علمی کا عیب بیان کرتا ہے۔ وہ لکھتا ہے میری خواہش ہے کہ اس سلطنت کے ناگوار طریقہ پر غور کیا جائے جسمیں تاج کے قبضہ کا معاملہ نامکمل اور زبردست کی فتحیابی پر چھوڑ دیا جاتا ہے، ہر بادشاہ کی وفات کے بعد اس کے بیٹوں یا بعض اوقات پوتوں اور بھتیجوں کے ہواخواہوں میں ہمیشہ تخت نشینی پر جھگڑے اور فسادات ہوا کئے۔ جو زبردست ہوتا وہ کامیاب ہوتا اور پھر اپنے رقیبوں سے پیچھا چھوڑا کر مستقل طور پر امن و امان قائم کرنے کی کارروائی شروع کرتا۔ اس کے مخالف یا تو فوراً قتل کئے جاتے، یا انکی آنکھیں پھوڑ دیجاتیں۔ یا گوالیار کے پہاڑی قلعہ میں قید کر دئے جاتے، یا افیون کی کثرت ستعمال سے ان کے حواس مختل کرائے جاتے، یا تو ایران کو بھاگ جاتے، یا حج بیت اللہ کرنے پر مجبور کئے جاتے۔ اگر جدید حکمراں ایسا زبردست نہ ہوتا کہ اس قسم کی سخت سزائیں حریفوں کو دیسکتا تو وہ دعویداروں کو سلطنت کے دور دراز حصوں پر صوبہ دار بنا کر بھیجدیتا تھا جہاں سے وہ اکثر آ آ کر اوسکی حکومت میں رخنہ اندازیاں کیا کرتے تھے۔ ہندوستان کا وہ عہد حکومت نہایت ہی کامیاب اور سرسبز کہا جا سکتا ہے جس میں سلطنت کے وارث اور زندہ دعویدار بہت کم ہوتے تھے۔ آخری زمانہ کے مغل فرمانروا اس راز کو بخوبی سمجھ گئے تھے اور ایسے چالاک و ظالم تھے کہ اپنی تحفظ کی غرض سے اس حکمت علمی کو انتہائی حد تک تمام و کمال کام میں لاتے تھے۔

ہمایوں مغل فرمانروا ایک مثال ہے جس کی تمام عمر شورش یا جلاوطنی میں صرف ہوئی کیونکہ وہ بہت زیادہ شفقت کرنیوالا اور مغل بیٹوں کے محبت کرنے والا اور ایسا نرم مزاج تھا کہ اس کی حکمت علمی کو انتہائی حد تک عمل میں نہ لا سکتا تھا۔ وہ خالص ترک تھا جس میں ابتک ہند و خون کی آمیزش نہوئی تھی۔ بابر ہمایوں کا پدر بزرگوار ترکی خیالات کا اعلیٰ نمونہ تھا۔ جیسا کہ ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں وہ دور اندیش، پڑھا لکھا چست و چالاک، حوصلہ مند اور فیاض تھا۔ یہ وہ اوصاف ہیں جنسے شرافت کا نام ماخوذ ہے۔"

مرنے سے ایک ذرا پہلے بابر نے اپنے بیٹے اور وارث (ہمایون) کو بلا کر وصیت کی کہ اگر اللہ تعالیٰ اسے تخت و تاج نصیب کرے تو اپنے بھائیون کے خون سے اپنا دامن آلودہ نہ کرے بلکہ ان کے ساتھ مہربانی کا برتاؤ کرے۔ ہمایون نے اس وصیت پر عمل کرنے کا وعدہ کیا اور باوجودیکہ اس کے بھائی (کامران، ہندال، مرزا عسکری) برابر اس کے مخالف رہے اور اکثر میدان جنگ میں مقابلہ پر آئے تاہم وہ چند سال تک پایۂ تخت اور اُس کے بعد بھی اکثر مختلف موقعوں پر جبکہ اُن کو شکست

ہر قسم کا عطر اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے منگایئے

ہو لی، انکی مخاصمانہ کارروائیاں بھولاتا رہا۔

اس کی نرم مزاجی ہی اس کے سارے تکلیفات کا سرچشمہ تھی جیساکہ بہت سے ایسے اوصاف کہ جو معمولی آدمی کے لئے ہردلعزیزی کا باعث ہوتے ہیں سلطنت کے لئے تقریباً بربادی کا سبب ہوتے ہیں۔ چنانچہ جب تک کہ جنگ کے ذریعہ سے یاکسی اور طرح پر اسکے بھائی اوسکی سلطنت کے آخری زمانہ میں علحدہ نہیں ہوئے اسوقت تک سلطنت میں کسی قسم کا امن پیدا نہیں ہوا۔ ہندؤں نے ایسے معاملات کو اچھا انجام دیا جیساکہ ایک قدیم مورخ کی بیان کردہ روایت تمثیلاً حسب ذیل پیش کیجاتی ہے۔

"سلطان محمود کے زمانہ میں ایک ہندو راجہ نے اپنے دشمن کے مقابلہ میں جو اس کا حریف تھا سلطان سے مدد چاہی۔ اُس نے سلطان کو اس موقع کی حالت یوں لکھی ہے۔ ہمارے مذہب میں بادشاہوں کا قتل خلاف قانون ہے۔ لیکن یہ رسم ہے کہ جب کوئی بادشاہ اپنے دشمن پر قابو پاجاتا ہے تو وہ خاص اپنے تخت کے نیچے ایک چھوٹا اور تاریک کمرہ بناتا اور اسمیں اپنے دشمن کو قید کردیتا ہے۔ صرف ایک سوراخ کھلا رہتا ہے اور روزانہ اس کمرہ میں مقید بادشاہ کو ایک کشتی میں کھانا رکھکر اس تہ خانہ میں بھیجدیتا ہے یہانتک کہ ان میں سے کوئی بادشاہ مرجاتا ہے"

ہمایوں ۱۵۳۰ء میں تخت نشین ہوا، اسوقت اس کا بھائی کامران، دارالحکومت کابل کا گورنر تھا جہاں سے بابر ہندوستان فتح کرنے کی غرض سے روانہ ہوا تھا۔ یہ ظاہر ہے کہ بابر کا ارادہ تھا کہ اس کے مرنے پر سلطنت کے حصے بخرے نہ ہونے پائیں اور کابل ہندوستان کی ماتحتی میں قائم رہے۔ شاہی فوج میں خاصکر قرب وجوار کے ترک، مغل اور افغان سپاہی بھرتی کئے گئے تھے حالانکہ ہندوؤں کی ایک بڑی تعداد بطور مددگار فوج کے موجود تھی اگرچہ وہ مغلوں سے بھی کم مطیع تھے۔ فوجی عہدہ دار خصوصاً ایرانیوں میں سے یا ایران کے باہر غیر ملک والوں میں سے مقرر کئے جاتے تھے۔ ہمایون نے کامران کو کابل کی سلطنت معہ چند ممالک کے جنمیں پنجاب اور دریائی سندھ کے سرحدی علاقے شامل تھے حوالہ کردئے تھے۔ شہزادہ ہندال، مرزا عسکری سنبھل اور میوات کے صوبہ دار مقرر کئے گئے ہمایوں گو ہندوستاں کا شہنشاہ تھا لیکن اُس نے فوجی طاقت کے ایسے ذرائع قائم نہ رکھے محض جنگی مدد سے اس کا قیام ہوسکتا تھا۔ فوج اب تک موجود تھی لیکن اس کی جنگی طاقت کے ترقی دینے یا قائم رکھنے کا کوئی پائدار ذریعہ نہ تھا۔

بادشاہ کی لڑائیوں کا آغاز حملہ گجرات یا مختلف مقامات کی بغاوتوں کے فرو کرنے سے ایک پہاڑی قلعہ کے محاصرہ میں دو ایسے واقعے پیش آئے جن سے ہمایوں کی اعلیٰ درجہ کے خاصۂ طبعی کا اظہار ہوتا ہے۔ محاصرہ کے ابتدائی مدارج میں نہایت کامیابی ہوئی۔ قلعہ تک پہونچنے کے جو آسان راستے تھے اُن پر قریب قریب فوجی سپاہی متعین تھے۔ اس میدان مرتفع کے ایک جانب جسپر کہ قلعہ بنا ہوا تھا قریب قریب عمودی شکل کا چٹان تھا۔ ہمایوں نے اسی طرف شبخون مارنے کا ارادہ کیا اسلئے فولادی میخیں طیار کی گئیں اور ٹیلہ کے سامنے کی طرف مثل سیڑھی کے داہنے بائیں ایک ایک کرکے گاڑدی گئیں۔ تین سو سپاہیوں کی ایک جماعت نے

عطر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے ہر قسم کا عطر منگایئے

نے جس میں بادشاہ خود بھی شامل تھا یہ خوفناک حملہ سر کیا۔ میخوں کے ذریعہ سے قلعہ پر چڑھنے والوں میں ہمایوں اکتالیسواں شخص تھا۔ یہ معلوم ہوا تھا کہ قلعہ میں بہت سا خزانہ ہے لیکن سخت تلاش کے بعد بھی وہ ہاتھ نہ آیا۔ اس نازک موقع پر ہمایوں کے سرداروں نے مشورہ دیا کہ قیدیوں کو سخت اذیت دیجاوے یہاں تک کہ وہ خزانہ کا اقرار کریں۔ ہمایوں کی رائے تھی کہ نہیں، بلکہ ان کے ساتھ مہربانی کا برتاؤ کیا جائے اور ایسا ہی کیا گیا چنانچہ ایک قیدی کی مخبری کے مطابق جو اس نے اپنے فیاض فاتح سے کی تھی ایک چوڑے چکلے حوض کا پانی نکلوا دینے پر اس کی نیچے تہ خانہ سے خزانہ برآمد ہوگیا۔

ہمایوں کی اعلیٰ درجہ کی ذاتی شجاعت اور انسانیت ان دونوں واقعات سے بخوبی ظاہر ہوتی ہیں۔

میرزا عسکری اور اس کا چھوٹا بھائی جس کی سپردگی میں یہ جدید مقبوضات دئے گئے تھے بہت جلد سرکشی ظاہر کرنے لگا۔ ایک بزم طرب میں اس نے بہت زیادہ شراب پی لی اور فخریہ کہنے لگا "کہ میں بھی بادشاہ اور ظل اللہ ہوں" ٹھیک اسیوقت شیر شاہ افغان والی بہار سے لڑائی نہایت سرگرمی کے ساتھ شروع ہوگئی۔ صوبہ بنگال پر شیر شاہ کی فوج قابض ہوچکی تھی۔ ہمایوں کو برسات کے موسم میں مصروف جنگ ہونا پڑا۔ سپاہی موقع پاکر غداری کرنے لگے اور شاہزادہ ہندال بلا اجازت اپنی ساری فوج لیکر چلتا ہوا شاہزادہ کامران کابل سے ایک بڑی فوج لیکر بظاہر بادشاہ کی مدد کی غرض سے لیکن فی الحقیقت بشرط امکان سلطنت پر قبضہ کرنیکے خیال سے روانہ ہوا۔

ہمایوں کو مجبوراً آگرہ واپس آنا اور شیر شاہ سے جنگ میں مصروف ہونا پڑا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۵۳۹ء میں ہمایوں کو شکست فاحش ہوئی۔ اس کی بیگم گرفتار اور اس کی ساری فوج منتشر و ابتر ہوگئی۔ تینوں بھائی آگرہ میں جمع ہوئے اور باہمی مصالحت ہو کر حفاظت کی تجاویز مشورہ کی غرض سے پیش ہوئیں۔ میرا ارادہ نہیں ہے کہ میں ۱۵۴۰ء کی دوسری جنگ کے واقعات بیان کروں جس کا خاتمہ یوں ہوا کہ شیر شاہ کو کامل طور پر فتح حاصل ہوگئی۔ (وہ ہندوستان کا بادشاہ ہوگیا) دہلی اور آگرہ اس کے قبضہ میں آگئے اور بادشاہ اور اس کی بیگمات کو بھاگ کر لاہور جانا پڑا۔ لاہور میں دوسری مجلس شوریٰ قرار پائی اور جیسا کہ ایک ہندوستانی مورخ لکھتا ہے "بادشاہ پر یہ بات بخوبی ظاہر ہوگئی کہ بھائیوں اور امرار سلطنت کو راضی کرنا اس کے امکان سے باہر ہے۔ چنانچہ وہ مایوس ہوگیا"۔ شاہزادہ ہندال ایک طرف روانہ ہوا۔ شاہزادہ کامراں کی "بیوفائی ثابت ہوگئی" اور کابل کی طرف چلدیا اور جیسا کہ ایک ہندوستانی مورخ لکھتا ہے "اس کے بھائیوں نے سپہر سلطنت پر نفاق کے تیر چلانے شروع کردئے" ہمایوں یسی جگہ کی تلاش میں ادھر ادھر پھرا جہاں سے بقیہ حصۂ سلطنت کا انتظام کرسکے۔ سندھ کا صوبہ جو ٹھیک کابل سے جانب جنوب واقع ہے تیمور کے مقبوضات کا ایک جزو تھا اور دیگر مقبوضات جنھیں تیمور فتح کرچکا تھا اس کی اولاد کی ملکیت میں تھے جو اسے فتح کرکے قایم رکھ سکتے تھے اس لئے بادشاہ بھی اپنی پسماندہ فوج کو ہمراہ لیکر سندھ کو روانہ ہوا اثنا راہ میں وہ شہزادہ ہندال کے خیمہ میں قیام پذیر ہوا۔

ہر قسم کا عطر اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے منگایئے

اور اچانک ہنداں کے استاد شیخ علی اکبر جامی کی نوجوان لڑکی پر فریفتہ ہوگیا۔ اس کی عمر ہنوز چودہ برس کی تھی۔ شادی کی بات چیت ہوگئی تھی لیکن منگنی کی رسم ہنوز طے نہ ہوئی تھی۔ بادشاہ نے اس سے بہت جلد شادی کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اگرچہ وہ بادشاہ کے رتبہ کے مناسب نہ تھی اس کا باپ سید یعنی آل رسول تھا اور اس کا خاندان علم و فضل، زہد و تقویٰ کی وجہ سے ممتاز سمجھا جاتا تھا۔ شادی دوسرے روز ہوگئی۔ لیکن شاہزادہ ہنداں کا کیمپ مالک تخت و تاج کے لئے مناسب جگہ نہ تھی۔

"دہ درویش در گلیمے بخسپند و دو بادشاہ در اقلیمے نگنجند"

چنانچہ ہمایوں اپنے ایک ماتحت کے وعدوں پر بھروسہ کرکے سندھ کے ریگستان میں آیا لیکن وعدے پورے نہ ہوئے اس صحرا نوردی سے ہمایوں کی جماعت کو سخت مصیبتیں پہونچیں۔ بعض اوقات ان کو صرف جنگلی بیروں پر اکتفا کرنا پڑا۔ پینے کا پانی بھی دستیاب نہ ہوا اور دشمنوں نے ایذائیں پہونچائیں۔ وسط ریگستان میں امرکوٹ کے سنسان قصر شاہی میں ۱۵ اکتوبر ۱۵۴۲ء کو بیگم کی بطن سے شاہزادہ اکبر تولد ہوا۔[لہ]

ہمایوں اسوقت چند میل کی مسافت پر خیمہ زن تھا کہ شہزادہ کی ولادت کی خبر اس کو ملی۔ اس کے پاس کوئی ایسی بیش قیمت چیز موجود نہ تھی جو وہ قاصد کو اور معدودے چند دوستوں اور رفقا کو دستور کے مطابق انعام عطا کرتا۔ اس نے ایک نافۂ مشک توڑ کر اپنے وفادار رفقا میں تقسیم کیا۔ شاہزادہ کا نام جلال الدین محمد اکبر شہنشاہ رکھا گیا اور بادشاہ کے ہمراہیوں کی مختصر جماعت کی وفادارانہ دعا کے مطابق تمام دنیا میں اس شہزادہ کی شہرت بوئے مشک کی طرح پھیلی۔

میرزا عسکری شاہزادہ کامران کی طرف سے قندہار کا حاکم تھا۔ ہمایوں کی اب یہ خواہش ہوئی کہ میرزا عسکری کو سمجھا کر اپنا طرفدار بنالے اور قندہار کو اپنا مامن قرار دے۔ بادشاہ ہنوز شہر سے ۱۲۰ میل کے فاصلہ پر تھا کہ اسکو مخبری ہوئی کہ اسکا بھائی میرزا عداوت کی نظر سے اس کے مقابلہ پر آرہا ہے اور بادشاہ کو اپنی جان بچانے کے لئے بھاگنا چاہئے۔ چنانچہ ہمایوں اس اضطراب کے ساتھ بھاگا کہ صغر سن شاہزادہ اور اکثر ساتھی کیمپ ہی میں چھوٹ گئے۔ ہمایوں اور اسکی بیگم معہ چالیس آدمیوں کی جماعت کے بھاگ کر ایران پہونچے اکبر اور ہمایوں کے پسماندہ ہمراہیوں کے ساتھ میرزا عسکری مہربانی سے پیش آیا اور ان سب کو قندہار لے آیا۔ اکبر کو کابل بھیجدیا

لہ مولانا نورالدین ترخان نے یہ تاریخ ولادت لکھی ہے۔ رباعی۔ چون کلک قضا نشان تقدیر نوشت آیات آبدار ہمہ تفسیر نوشت از میر ولادت شہنشاہ جہاں تاریخ شہنشہ جہانگیر نوشت۔ ایک فاضل عصر نے یہ لکھا ہے۔ للہ الحمد کہ آمد بوجود آنکہ از کون و مکاں منتخب است بادشاہی کہ ز شاہان جہاں اکبرش نام و جلالش لقب است شب در وز و مہ و سال میلاد شب یکشنبہ و پنج رجب است ملک الشعراء فیضی نے اپنی تحریرات میں اکبر کے نام بدایع پیش کرتے ہوئے لکھا ہے۔ رباعی نورے کہ ز مہر عالم آرا پیداست از جبہۂ شاہنشہ والا پیداست اکبر کہ بآفتاب دارد نسبت این نکتہ ز نیات اسما پیداست

ہر قسم کا عطر اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے منگایئے

جب میرزا عسکری اور اس کی سپاہ مع شاہزادہ اکبر کے واپس آ رہی تھی تو ہمایوں کے ایک وفادار ساتھی نے کوشش کی کہ کسی طرح بچے کو ان لوگوں کے قبضہ سے خفیہ طور پر نکال کر اس کے والدین تک پہونچا دے۔ یہ تجویز محافظین کے سامنے بغرض مباحثہ پیش کی گئی اور بالآخر یہ فیصلہ ہوا کہ ہمایوں کے پاس اس امر کی ضرور کوئی معقول وجہ رہی ہوگی کہ اس نے اپنے بچہ کو بھائی کے قبضہ میں چھوڑ دیا اور اس لئے نہ تو محافظین کو مناسب ہے کہ اکبر کو حوالہ کر دیں نہ شہنشاہ کے رفقا طریق کو موقع ہے کہ وہ اس معاملہ میں جسے وہ خود پورے طور پر نہیں سمجھتے دست اندازی کریں۔ اس پر وہ سپاہی اکبر کی مہد تک پہونچا اور محافظین کے سردار سے شہزادہ کی پگڑی میں سے ایک چھوٹی سی پٹی لی اور اس نشانی کو لیکر وہ ہر سپاہی کے پاس ہوتا ہوا اپنے آوارہ گرد بادشاہ کا شریک قسمت ہونے کے لئے اور اس نونہال شاہزادہ کی خیریت کی خبر پہونچانے کے لئے وہاں سے روانہ ہوا یہ وحشیوں کے ناشائستہ اطوار نہیں ہیں

تین برس تک بادشاہ سندھ میں رہا اور طرح طرح کی مشکلات و مصائب اُٹھاتا رہا۔ اب وہ اپنے خاندانی دوست شاہ طہماسپ بادشاہ ایران کی مدد حاصل کرنے کی غرض سے روانہ ہوا۔ ہمایوں کا نہایت اعلیٰ پیمانہ پر خیر مقدم کیا گیا اور طرفین میں ہر قسم کے معاہدے ہوئے۔ ہمایوں شاہ ایران کو قندہار واپس کرنے پر راضی ہو گیا اور بعوض بارہ ہزار بہمہ وجوہ ایرانی مسلح فوج کی مدد کے مسلمانوں کے شیعہ[1] طریقہ اختیار کرنے پر مجبور ہوا۔

ہمایوں نے شاہ ایران کو جو خط روانہ کیا اس کے لفافہ پر یہ شعر تحریر کیا ؎

کہ گذشت از سر ما آنچہ گذشت　　　چہ بہ دریا چہ بہ کہسار و چہ دشت

پھر بھی قبل اس کے کہ ہمایوں کے اچھے دن آئیں اُسے بہت مصائب برداشت کرنے پڑے۔

اس کی زندگی انقلاب سے پُر تھی۔ اوائل عمر میں اُس کو رہنے کے لئے فردوس کی طرح ایک محل نصیب تھا لیکن آخری زمانہ میں وہ اپنی سکونت کے لئے ایک گھر کا محتاج تھا گویا کہ وہ خانہ بدوش تھا۔ شاہزادہ کامران کابل میں حکومت کرتا تھا قندھار اسی کے قبضہ میں تھا جس سے اس کے بھائی میرزا ہندال نے چھین لیا تھا، اس کے بعد پھر فتح ہو گیا اور اب میرزا عسکری کے قبضہ میں تھا چوتھا بھائی غیر ملک کی فوج کی سپہ سالاری میں اس کے خلاف کوچ کر رہا تھا۔ محاصرہ کے بعد ہی شہر فتح کر لیا گیا۔ عسکری کو معافی دی گئی لیکن وہ بھاگا اور پھر پکڑا گیا اور قید کر دیا گیا، اور قندہار۔ ایرانیوں کے حوالہ کر دیا گیا۔

چونکہ سردی کے ایام آ گئے تھے ہمایوں کی فوج کو پناہ کی ضرورت تھی اور ایرانی شاہزادہ نے جو فوج کی کمانڈ کر رہا تھا عین موقع پر انتقال کیا بادشاہ نے اس مرتبہ قندھار کو ایرانیوں کے قبضہ سے نکال کر اپنا صدر مقام قرار دیا اور فوراً ہی سرمائی دورہ کابل کی طرف کر دیا۔ شاہزادہ ہندال فتحمند فوج میں آ ملا اور شاہزادہ کامران اپنا صدر مقام چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا۔ اس کی ساری فوجیں بادشاہ

[1] اس کا مورث اعلیٰ تیمور شیعہ مذہب رکھتا تھا اگرچہ مجھے کہیں یہ بات نہیں ملی کہ یہ دلیل اس کے تبدیل مذہب کے لئے پیش کی گئی تھی۔ مصنف ۱۲

ہر قسم کا عطر صفدر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے منگایئے

کی طرف چلی آئیں بصغرسن شاہزادہ اکبر (جس کی عمر اسوقت قریب تین برس کی تھی) باپ کو واپس دیا گیا چند مہینوں کے بعد ہمایوں نے بدخشاں (تیموری مفتوحات کا دوسرا شہر) پر حملہ کیا۔ اس پر کامران واپس آیا اور کابل پر دوبارہ مع شاہزادہ اکبر کے قبضہ کیا ہمایوں اور ہندال کی فوجوں نے فوراً لوٹ کر شہر کا محاصرہ کر لیا۔ ایشیائی مورخین کا بیان ہے "کہ کامران نے نہایت نامردی سے حکم دیا کہ شاہزادہ اکبر کو فصیل پر جہاں توپ کے گولوں اور بندوق کی گولیوں کی بوچھار ہو رہی تھی کھڑا کر دیا جائے۔ لیکن اللہ تعالےٰ نے اس کا بال بھی بیکا نہ ہونے دیا۔ کامران ایکبار پھر بھاگنے پر مجبور ہوا اور بدخشاں اب اس کے قبضہ میں آگیا۔ لیکن ۱۵۴۸ء میں ہمایوں نے اسے پھر فتح کر لیا اور اس موقع پر کامران کو ہمایوں اور ہندال نے قید کر لیا۔

بادشاہ نے کامران کے ساتھ نہایت مہربانی کا اظہار کیا جسکو پھر شاہی اعزاز حاصل ہوا، میر عسکری اس وقت آزاد کر دیا گیا اور چاروں بھائیوں نے باظہار محبت ایک ہی دسترخوان پر طعام نوش کیا۔ چند ماہ بعد کامران اور عسکری نے پھر بغاوت کی اور کابل پر قابض ہو گئے اور شہزادہ اکبر (بیش بہا یرغمال) پھر اُن کے ہاتھ آگیا۔ ایک مرتبہ اور بادشاہ نے کابل پر حملہ کیا اور کامران پھر بھاگنے پر مجبور ہوا۔

یہ بہیم حملے، محاصرے تسخیریں اور زحمتیں مثل قوم سیوکس کے ایک گروہ کے تاریخ کی معلوم ہوتی ہیں جو مغلوں کی تاریخ میں اس ابتدائی زندگی نمونہ پیش کرتی ہیں جس کے بعد ان کے قدم ہندوستان میں مستقل طور پر جم گئے۔ ایسی تاریخ بہ سبب ایک ہی قسم کے خیالات ہونے کے طبیعت اکسانیوالی اور بے لطف ہے اور ہم لوگوں کو مناسب ہے کہ ہم اس خیال سے اس کو بالکل نظرانداز کر دیں کہ یہ باتیں چار صدی ماقبل ترکستان کے وحشی قوموں میں موجود تھیں۔ لیکن کیا اوسی زمانہ میں یورپ کی لڑائیاں زیادہ مختلف طور پر ہوتی تھیں؟ اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ جدید طرز جنگ نپولین[1] کی فتوحات سے شروع ہوتا ہے۔ وحشی قوموں کے بارہ میں کیا ہم آج بھی ظالمانہ انقلابات کی قریب قریب ویسی ہی مثالیں جنوبی امریکہ کے ریاستوں میں نہیں پاتے ہیں؟ چلی[2] میں۔ ارجنٹائن[3] میں برازیل[4] میں ہنڈوراز[5] میں؟ جہاں کوئی شخص قیدی نہیں بنایا جاتا۔ مردوں کی لاشیں نہایت سنگدلی سے ٹکڑے ٹکڑے کیجاتی ہیں۔ مفتوحہ شہر لوٹ لئے جاتے ہیں اور ان کے باشندوں کیساتھ نہایت بیدردی سے ظلم کیا جاتا ہے۔

---

[1] نپولین اعظم فرانسیسیوں کا شہنشاہ زبردست فاتح جس نے اپنی فتوحات کا یورپ میں سکہ بٹھا دیا تھا۔ پیدائش ۱۷۶۹ء میں وفات ۱۸۲۱ء۔

[2] چلی، جنوبی امریکہ کے مغربی ساحل پر واقع ہے۔

[3] ارجنٹائن، جنوبی امریکہ کے جنوب میں واقع ہے۔

[4] برزیل، جنوبی امریکہ کے شمال و مشرق واقع ہے۔

[5] ہنڈوراز، برٹش ہنڈوراز، نوآبادی واقع وسطی امریکہ۔

کارخانہ صفر علی محمد علی تاجر کی ایک شاخ گلزار حوض حیدرآباد میں ہے

یہ قریب قریب وہی زمانہ تھا کہ ہمایوں نے کامران سے التجا کی کہ اب اس دائمی جنگ وجدال کا خاتمہ کر دے وہ لکھتا ہے ،، اے میرے برادر نامہربان تم کیا کر رہے ہو؟ طرفین میں جو کشت وخون ہوتا ہے قیامت کے دن ہر ایک کی بابت تم ہی جوابدہ ہوگے آؤ اور صلح کر لو تاکہ بنی نوع انسان کو ہماری لڑائیوں سے آزار نہ پہونچے ؎

کامران نے جواب میں یہ شعر لکھا ؎

عروسِ ملک کسے در کنار گیرد چست　　　　کہ بوسہ بر لبِ شمشیر آبدار دہد

لڑائیاں برابر جاری رہیں۔ ایک ہندوستانی مورخ کہتا ہے کہ بغاوت کرنا اور صوبوں کو پامال کرنا ،، امیر تیمور کے خاندان کا ایک قدیم عیب ہے ،،

ہندال، کامران کی گرفتاری کو روانہ کیا گیا، وہ ایسا ضرور کر لیتا لیکن وہ کامران کے بھاگ کر نکلنے میں ایک گونہ معاون ہوا اور تھوڑے عرصہ کے بعد افغانوں کے مقابلہ میں ایک لڑائی میں جس کا سپہ سالار کامران تھا خود ہلاک ہوگیا۔ مرزا عسکری کو جلاوطنی کا حکم دیا گیا۔ وہ مکہ کو ہجرت کرکے جا رہا تھا۔ اور دمشق سے آگے نکلا ہی تھا کہ ۱۵۵۸ء میں انتقال کر گیا۔ یہ بات ظاہر تھی کہ شاہزادہ کامران کے ساتھ کوئی شرائط نہ کئے جا سکتے تھے۔ بالآخر وہ گرفتار کرکے اندھا ہوگیا اور وہ بھی حج کی غرض سے مکہ روانہ ہوا جہاں اُس نے ۱۵۵۷ء میں وفات پائی۔

باقی ــــــــــ باقی

،، سید عبدالسبحان ناظر ،،

معاون شعرا

یعنی

گنجینۂ قوافی

جسمیں گیارہ ہزار قافئے مندرج ہیں ایک روپیہ بارہ آنہ میں علاوہ محصولڈاک ذیل کے پتہ سے مل سکتی ہے

(نوٹ) پانچ کاپی کے خریدار کو محصول ڈاک معاف

پتہ :- محمد یوسف گجرات (پنجاب)

ہر قسم کا عطر تیل اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے منگایئے

کلام مومن پر ایک نظر

(گزشتہ سے پیوستہ)

تخیل تخیل اس قوت کا نام ہے جو غیر مرئی اشیا کو ہماری آنکھوں کے سامنے پیش کردے۔ گویا اختراع کا دوسرا نام تخیل ہے۔ اس میں شک نہیں کہ شعر کی ترکیب دو عناصر (محاکات اور تخیل) سے ہے۔ لیکن تخیل ہی ایسی چیز ہے جو شعر کی روح رواں کہا جا سکتا ہے اور یہی مومن کا وہ کمال ہے جو عوام سے نکال کر ان کو خواص کی جماعت میں جگہ دیتا ہے۔ مومن قدرت کی طرف سے ایک نہایت زبردست بلند پرواز تخیل لائے ہیں۔ وہ اپنی خصوصی فضا میں اڑتے ہیں۔ اور نہایت بلند اڑتے ہیں۔ اور یہ ان کا نہایت ہی اعلیٰ کمال ہے۔ ذوق وغیرہ آج تعلیم یافتہ طبقہ کی نگاہوں سے گر رہے ہیں۔ اور محض اسی لئے گر رہے ہیں۔ کہ انہیں قوت اختراع تقریباً ناپید ہے۔ میں نے انکا دیوان کئی مرتبہ دیکھا ہے۔ لیکن میری رائے ہمیشہ ان کے حق میں وہی رہی ہے جو پہلی مرتبہ مطالعہ کے بعد قائم ہوئی تھی۔ مجھے حیرت ہوتی ہے جب میں دیکھتا ہوں کہ ہمارے دوست پھر ہمیں متوجہ کر رہے ہیں کہ ہم ذوق کا مطالعہ کریں اور دیکھیں کہ یہاں کیا کیا جواہر ریزے موجود ہیں

جذبۂ دل نے محبوب کو عاشق کے گلے لگا دیا۔ موقع گزر گیا مگر حضرتِ عاشق ہیں۔ کہ شب روز انکی آنکھوں کے سامنے یہ منظر ہے اور حسرت و ارمان کے لاکھوں طوفان اسکے دل میں اٹھتے ہیں اور مٹتے ہیں آخر جذبۂ دل کو محسوس فرض کرنے اس سے خطاب کرتا ہے کہ میں کیوں نہ تم کو چھاتی سے لگاؤں، اور پیار کروں۔ کیونکہ تمھاری اور صرف تمھاری ہی وجہ سے محبوب میرے گلے لگا تھا۔

جذبۂ دل کو نہ چھاتی سے لگاؤں کیونکر ؎ آپ وہ میرے گلے دوڑ کے اکبار لگا

مرگ انبوہ جشنے دارد،، کا ایک حسرتناک منظر ملاحظہ ہو

کیا اُسنے قتلِ جہان اک نظر میں ؎ کسی نے نہ دیکھا تماشا کسی کا

عشق میں عاشق کو جن مصائب سے دوچار ہونا پڑتا ہے اُسکا نقشہ یوں کھینچتے ہیں۔ کہ میرا دل شعلۂ جوالہ کے مانند سراپا اضطراب و سوز ہے۔ شعلۂ جوالہ میں سوز و اضطراب دونوں باتیں موجود ہوتی ہیں۔ جب دل جل جل کر خاکستر ہوگیا۔ تو مجھے آرام ہوگیا۔ یعنی رنج والم عشق سے مجھے نجات جب ہوئی۔ جب میں نے سرحد فنا میں قدم رکھا۔

جی تھا برنگِ شعلۂ جوالہ بے قرار دل خاک ہوگیا مجھے آرام جب ہوا

ہجر کی وہ سرتاپا مصائب طویل راتیں (جنمیں عاشق کو دوچار ہونا پڑتا ہے ایسی ڈراؤنی اور ہیبت ناک راتوں کی تنہائی کو

عطر حنا اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا بہت مشہور ہے

وہ یوں آباد کرتا ہے۔

تم میرے پاس ہوتے ہو گویا　　جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

قادر الکلام شعراء کے اشعار دو قسم کے ہوا کرتے ہیں۔ اُن کے خاص اور چیدہ اشعار سے عوام اور خواص دونوں برابر متاثر ہوتے ہیں لیکن بعض خاص حالات کے ماتحت ان کے عام اشعار بھی خواص کو متاثر کئے بغیر نہیں رہ سکتے مرحوم مومن کا متذکرۂ بالا شعر آخر الذکر اشعار کے قبیل سے ہے۔ مرزا نوشہ کو نہ معلوم اس کی کونسی ادا پسند آگئی تھی۔ کہ وہ بیسیوں دفعہ اسکو پڑھتے اور سر دھنتے۔ اسی قسم کا ذوق کا ایک شعر بھی ہے۔ جو مرحوم مرزا کو بہت ہی مرغوب خاطر تھا۔

ابتو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائینگے　　مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائینگے

یہ دو شعر ہم بھی پڑھتے ہیں۔ اور دنیا بھی پڑھتی ہوگی۔ لیکن چونکہ ہمارے حالات شعر کی اس حالت سے جس حالت میں یہ شعر کہا گیا تھا۔ سازگار نہیں ہوتے۔ اسواسطے نہ ہم متاثر ہوتے ہیں۔ اور نہ ہمارے جذبات میں کوئی خاص جنبش پیدا ہوتی ہے

ہوس اور عشق میں یہی فرق ہے۔ کہ ہوس پرست ہرجائی ہوتا ہے۔ اور عاشق یک جائی۔ گو فی نفسہ کسی ماہرو سے عشق کرنا جائز نہیں۔ لیکن جب یہ تعلقات کسی ایک محبوب سے قائم ہو چکیں۔ تو پھر انہیں تعلقات کی تجدید کسی اور رشکِ ناہید سے کرنا مذہب عشق میں قطعاً حرام ہے۔

ہر غنچہ رو سے عشق کا اظہار ہی غلط　　اس مبحث صحیح کی تکرار ہے غلط

عشق جو ایک روحانی کوفت ہے بعشاق کا خیال ہے۔ کہ اس روحانی کوفت سے دل پر داغ پڑ جاتا ہے چونکہ یہ داغ محبوب کے عشق کی نشانی ہے۔ اس لئے عاشق بے خانماں اپنے سیلابِ گریہ کو یوں ہدایت کرتا ہے۔ کہ ذرا احتیاط سے کام لینا۔ کہ کہیں میرا داغ دل بھر نہ جائے۔ اور ہم بیٹھے لکیر پیٹا کریں۔

شب وعدہ کی تلخی اور جانکاہیِ انتظار بہت ہی تکلیف دہ ہوا کرتی ہے۔ عاشق موت سے دوچار ہونا پسند کریگا۔ لیکن انتظار کی مصیبت میں پھنسا ہوا ہے۔ وہ موت کی تمنا کرتا ہے تاکہ ان تمام رنج ہائے انتظار کے کلام خاتمہ ہو جائے۔ لیکن موت آئے، تو جب کہ زندگی اختتام آشنا ہو چکے۔ عاشق گھبرا کر بغیر موت کے مر جاتا ہے اور اُن مصائب سے پیچھا چھڑا کر زندگی کے باقی دن قبر میں بسر کرتا ہے۔

بس کہ بن آئے مر گئے ہم شب انتظار میں　　دن جو رہے تھے عمر کے جیتے رہے مزار میں

شعر گو ان نیچرل ہے۔ مگر تخیل کی بلند پروازی نے شعر کو عرش نشین کر دیا۔

ہر شعلہ رو پر دنیا پروانوں کی طرح گرتی ہے۔ اور عشاق کی بیتابی کا یہ عالم ہوتا ہے کہ تل دھرنیکو جگہ نہیں ملتی اگر اسی جان

صغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے عطر خانہ منگائیے

برکف نہادہ جماعت سے ایسے لوگوں کی تلاش کی جائے۔ جو صحیح معنوں میں سرفروش کہلائے جاسکیں تو شاید کوئی ایک آدھ ہی نکلے

سرفروشوں کے اگر آپ خریدار ہوئے تو گراں ہو دیگی وہ جنس جو کمیاب نہیں

عشق اور شوق جاناں وایسے جذبے ہیں کہ جن کے بغیر عشاق کی زندگی محال ہوتی ہے۔ لیکن یہی اُس کے دو محبوب ترین جذبے ایسے ہیں جو اسکی جاں کھائے جارہے ہیں عشق نے اس کا جگر کباب کردیا ہے اور شوق کے ہاتھوں اسے جان کے لالے پڑے ہوئے ہیں۔ انھیں دومار آستیں دوستوں کا وہ یوں شکوہ سنج ہوتا ہے۔

عشق کیوں دُرپے جاں، شوق ہے کیوں سینہ تنگاں دشمنی دل شکنی شیوۂ احباب نہیں

ننگ و نام برباد دادہ عشاق کو اس سے کیا غرض کہ عشق خانہ خراب کے ہاتھوں اُن کو کیا کیا دکھ جھیلنے پڑیں گے، رسوائی بدنامی، اور الزام تراشی کا وہ کونسا حربہ ہوگا جو ان کے برخلاف نہ استعمال کیا جائیگا۔ یہ سب کچھ ہے اور ضروری ہے۔ لیکن انہیں تو اس سے غرض ہی نہیں کہ خود ان پر کیا گزریگی۔ انکی زندگی کا مقصد یہ اور صرف یہ ہو کہ ان کے دم سے گرم بازاری عشق قائم رہے۔

سودا ہے مجھکو گرمی بازار عشق کا اس کا کہاں خیال کہ اپنا ضرر نہو

فراق یار جتنا پُر مصائب ہوا کرتا ہے۔ عاشق کے لئے وصال یار بھی کچھ کم باعث تکلیف نہیں ہوتا تپ فراق میں اگر اسے رنج و محن سے تنگ آکر جان بحق ہونا پڑتا ہے تو شب وصال میں بھی اسکو یار کی ہر ہر ادا پر نقد جان نثار کرنا پڑتا ہے۔

یارب وصالِ یار میں کیونکر ہو زندگی نکلی ہی جان جاتی ہو ہر ہر ادا کیساتھ

عاشق کی رشک بازی نے خوں کی ندیاں بہادی ہیں معشوق اس خیال سے کہ اس کا دامن خون سے آلودہ نہ ہو۔ دامن اٹھائے عاشق کی مزاج پرسی کے لئے آتا ہے۔ مگر اس کی یہ ادا کچھ اس غضب کی دلفریب واقع ہوتی ہو کہ دنیا پروانوں کی طرح تڑپ تڑپ کر فدا ہورہی ہو عاشق ناکام اس مرگ عالم گیر کا ذمہ دار اپنے اشک خوں کو قرار دیتا ہو جسنے یار کو اس خرام ناز پر مجبور کیا۔

ہے ایک خلق کا خوں سر پہ شک خوں کے مری سکھائی طرز اسے دامن اٹھا کے آنیکی

جاناں کی پرپیچ و خم زلف کے تصور میں عاشق از خود رفتہ ہو جاتا ہے۔ اس خود رفتگی کے عالم میں اسے تمام ان مصائب سے لطف اندوز ہونیکا موقع نہیں ملتا۔ جیسے ہونا چاہئے تھا زلف برہم کے تصور سے جو خود رفتگی اس پر طاری ہوئی اس نے تمام تکالیف کا احساس سلب کرلیا اپنی سیہ روزگاری کا یوں مرثیہ پڑھتا ہے۔

خیال زلف میں خود رفتگی نے قہر کیا اُمید تھی مجھے کیا کیا بلا کے آنے کی

بلبل جسے شمعِ گل کا پروانہ کہا جاتا ہے موسم خزاں کی نکبت اور نحوست میں گرفتار ہے مومن کے یہاں عشق اور بدبختی مترادف ہیں۔ لہذا باغ میں خزاں کا تسلط اس لئے نہیں کہ خزاں اور بہار کوئی فطری موسم ہیں بلکہ باغ میں بلبل کا وجود ہی خزاں کا سبب ہے اگر اب وہ باغ

جو حضرات علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے ہر قسم کا عطر خریدنا چاہیے

سے علیحدہ ہو جائے۔ تو فوراً ہی بہار خیمہ افگن ہو۔

نام بدبختی عشاق خزاں ہے بلبل
تو اگر نکلے چمن سے تو بہار آ جائے

خون رو رو کر عاشق کا دامن سبد گل فروش ہو چکا ہے محبوب کو یہ خیال نہ تھا کہ عشق خانہ خراب کی نوبت یہاں تک پہونچ چکی ہے اتفاقاً اس کی نگاہ خون آلودہ دامن پہ پڑ جاتی ہے اور وہ آئینہ وار آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اسے دیکھنے لگ جاتا ہے

داغ خوں سے وہ مرے حیراں ہوا
دامن الجھا ہے گل بے خار سے

داغ خوں کو گل بے خار سے اور محبوب کے حیراں ہو کر کھڑا ہونے کو۔ دامن الجھنے سے تعبیر کرنا بہت ہی پر لطف در اچھوتا طرز بیان ہے وحشت شباب پر ہے چارہ گر کو تشخیص مرض، اور تجویز دوا کے لئے مدعو کیا جاتا ہے۔ مگر عاشق خود ہی اپنا مرض بیان کر کے نسخہ تجویز کرتا ہے، اور طنزیہ لہجہ میں حکیم سے درخواست کرتا ہے کہ آؤ! اور میری وحشت کے علاج کے لئے مجھے بازار سے ایک جنگل خرید کر لا دو

کر علاج جوش وحشت چارہ گر
لا دے اک جنگل مجھے بازار سے

عاشق غمہائے ہجراں سے کچھ اس طرح مانوس ہو چکا ہے۔ کہ اُس کی تنہائی اسے ایک نظر نہیں بھاتی اسے یہ معلوم ہے کہ وہ اندوہ ہجراں سے جاں بر نہ ہو سکیگا۔ لیکن اسے یہ فکر دامن گیر ہو رہی ہے کہ کل میرے بغیر شب ہجراں اپنا دل بہلانیکے لئے کسکو تلاش کریگی

تو کہاں جائیگی کچھ اور ٹھکانا کر لے
ہم تو کل خواب عدم میں شب ہجراں ہونگے

محبوب تک نامہ بری کے لئے ایک پیغام بر کی تلاش کی گئی ہے اور اسے محبوب کے یہاں بھیجنے کا تیار کیا جا رہا ہے۔ لیکن عاشق کو یہ فکر لاحق ہو رہی ہے کہ مبادا آتش رشک بھڑک اُٹھے اور وہ بھی قاصد کے پیچھے پیچھے چل پڑے۔

رشک پیغام ہے عناں کش دل
نامہ بر راہ بر نہ ہو جائے

عاشق ایک مہ پارہ کی تیغ ابرو کا شکار ہو چکا ہے۔ لیکن اس خیال سے وہ ہمیشہ بے چین رہتا ہے۔ کہ اگر وہ یونہی زندہ رہا تو یہ زندگی اس کے تمام رازوں کو طشت از بام کر دیگی۔ کیونکہ موت سے یہ تمام سلسلے یک قلم ختم ہو جاتے ہیں اور بہت سے راز ہائے سربستہ ہمیشہ کے لئے کنج عدم میں دفن کر دیے جاتے ہیں۔

ہجر پردہ نشیں میں مرتے ہیں
زندگی پردہ در نہ ہو جائے

خرام یار کو شعراء فتنۂ محشر سے تشبیہ دیا کرتے ہیں۔ یہ ایک ایسا پامال مضمون ہے کہ کوئی معمولی شاعر بھی ایسا نہ ہوگا جس نے اس مضمون کو مختلف طریقہ سے نہ باندھا ہو۔ مومن کے یہاں بھی یہ مضمون کئی طریقوں سے باندھا گیا ہے۔ مگر خصوصیت سے ذیل کا شعر کچھ اتنا دلآویز واقع ہوا ہے کہ داد دیے بغیر نہیں رہا جاتا۔

چلنا تو دیکھنا کہ قیامت نے بھی قدم
طرز خرام شوخی رفتار کے لئے

ہر قسم کا عطر اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے منگائیے

یعنی خرام یار کچھ اس طرح محشر بار، اور حشر خیز واقع ہوا ہے۔ کہ قیامت کا عظیم الشان فتنہ بھی اس کے سامنے گرد ہو گیا ہے اور دنیا اس سے زیادہ ہولناک سماں سے دوچار ہے جس کا وجود دامان قیامت سے وابستہ ہے

عشاق تنگیٔ دل کے ہمیشہ شاکی رہے ہیں۔ اس گرہ کشائی کے لئے وہ ناخن یار کا تصور باندھتا ہے، لیکن دل خون ہو کر آنکھوں کے راستے بہ جاتا ہے۔ عاشق ناخن یار سے یوں خطاب کرتا ہے۔

دل ہوا خوں خیال ناخن یار　　تو نے اچھی گرہ کشائی کی تو

گرہ کشائی کے لئے عام طور پر ناخنوں سے امداد لی جاتی ہے۔ اور پھر دل کا خوں ہو جانا اس لحاظ سے اور زیادہ دلآویز ہے کہ محبوب کے ناخن اس سے رنگے جائینگے

مقتل میں جب وہ شمشیر بدست آتے ہیں۔ اور عاشق پر وار کرتے ہیں۔ تو اس سے ہوا میں جو چمک پیدا ہوتی ہے۔ مومن اسکو برق سے تشبیہ دیتے ہیں۔ اور عاشق کے خویش و اقارب کے رونے کو بارش سے

کیوں نہ ٹپکے آب جیب ٹپکو لہو　　برق کٹتی ہے تری شمشیر سے

بارش کا برسنا دو لحاظ سے جاذب توجہ ہے (۱) چونکہ تلوار کی وار سے ہوا میں بجلی کے چمکنے کا سماں بندھ جاتا ہے۔ اور بارش لازم و ملزوم ہیں۔ (۲) ناکام عاشق کا قتل ایسا حسرت ناک منظر پیش کرتا ہے کہ اب آسمان ستم شعار بھی سپر بغیر آنسو بہائے نہیں رہ سکتا۔ عاشق قریب الموت ہے۔ جب وہ زندگی تلخ کاموں اور ناکامیوں پر ایک مجمل نگاہ ڈالتا ہے اس کے دل میں غم و اندوہ کا ایک طوفان اُٹھتا ہے۔ وہ گلا پھاڑ پھاڑ کر چلاتا ہے۔ گریبان چاک کر دیتا ہے۔ ہائے و ہو، غم و الم، چیخ پکار، اور شور و شغب سے تمام دنیا کو تہ و بالا کر دیتا ہے۔ آسمانوں کی دھجیاں اڑا دیتا ہے۔ نظام شمسی کے پرخچے اڑ جاتے ہیں۔ اور خدا کی خدائی میں ایسا زلزلہ آتا ہے کہ تمام دنیا موت کی نیند سو جاتی ہے۔

قیامت ہے مرتے دم آئی فغان سے　　جہاں لیکر چلے ہیں ہم جہاں سے

ہمنے رفعت و بلند پروازی تخیل کی متعدد مثالیں پیش کی ہیں۔ آپ نے دیکھ لیا ہو گا کہ مومن کسقدر بلند پرواز ہیں اور اپنے اکثر معاصرین، اور عام شعرائے زبان اردو سے کتنے ممتاز ہیں۔ ذیل میں محاکات کی متعدد امثلہ لکھی جاتی ہیں۔ تاکہ واضح ہو جائے کہ ایک معمولی اور سادہ خیال کو مومن اپنے زوردار تخیل کے بل پر کہاں سے کہاں لے جاتے ہیں۔

جذبۂ دل

جذبۂ دل کی تاثیر کے مختلف مناظر جس طرح عشق کے باب میں دیکھنے میں آتے ہیں۔ اور کہیں نہیں۔ اس مضمون کو مختلف طریقوں سے ادا کیا جاتا ہے۔ اور شاید ہی کوئی شاعر ہو جس نے اس پر خامہ فرسائی کی تکلیف نہ گوارا کی ہو۔ مومن نے بھی اس باب میں طبع آزمائی کی ہے۔ اور خوب جولانیاں دکھائی ہیں۔

صفدر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا پتہ صرف خا لکھنؤ کافی ہے

عاشق فرطِ شوق سے مجبور ہو کر محبوب کی محفل میں جا پہونچا ہے اور محبت کے ثبوت میں یہ پیش کرتا ہے کہ اس کی الفت لئے وہاں کشاں کشاں لائی۔ اگر محبوب کے دل میں بھی عاشق کی الفت ہوتی تو کوئی وجہ نہ تھی، کہ اسکے ہاں نہ جاتا۔ اس سے عیاں ہے کہ انہیں اس سے کوئی تعلق نہیں یہ سنکر محبوب فوراً کہہ اُٹھتا ہے کہ تمھاری دلیل بجائے اسکے کہ تمھارے لئے مفید ہو میری موید مقصد ہے۔ تمھارا میرے ہاں یوں بے تاب ہو کر آنا میرے جذبۂ دل کی قوت کا نتیجہ ہے۔ اگر تم میں بھی یہ جذب کارفرما ہوتا تو کوئی وجہ نہ تھی، کہ میں تمھارے ہاں کھنچا کھنچا نہ چلا آتا اور کوئی وجہ نہ تھی کہ اگر تمھارا جذبۂ دل قوی تر ہوتا تو مجھے اپنی طرف نہ کھینچ لیتا گویا تمھارے جذبۂ دل کی کمیت کا یہ امتحان تھا جسمیں تم ناکامیاب رہے اتنے مبسوط مضمون کو مومن ایک شعر میں، ادا کرکے کس خوبی سے دریا کو کوزے میں بند فرماتے ہیں۔

یہ عذر امتحان جذب دل کیسا نکل آیا ۔۔۔ میں الزام انکو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا

محبوب غیر پسند ہو چکا ہے اور ہر وقت اغیار کی محفل میں رہتا ہے۔ عاشق بھی اس باصرہ افروز منظر سے مستفید ہونیکے لئے وہیں پڑا رہتا ہے کبھی کبھی اگر جذبۂ خودداری اسے مجبور کرتا ہے۔ کہ وہ کیوں اغیار کے یہاں یوں ذلیل ہو رہا ہے تو معاً اسے یہ خیال بھی آتا ہے کہ اگر جذبۂ دل اُسے کھینچ لائے بھی تو کہاں لائے۔ کہ غیر کا گھر ہی اپنا مسکن ہو چکا ہے۔ اگر اپنا گھر ہوتا تو شاید ہم بھی جذبۂ دل کا امتحان لیتے۔

جذبِ دل اسے کھینچ کے لائے تو کہاں لائے ۔۔۔ جو غیر کا گھر ہے وہی مسکن ہی ہمارا

مشہور عوام ہے۔ اور اصولاً صحیح بھی ہے۔ کہ رونے سے دل کا اضطراب اور قلق کم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح یہ بھی خیال کیا جاتا ہے کہ ہچکیوں کا آنا، کسی عزیز ترین دوست کے یاد کرنے کی نشانی ہے لیکن عاشق سیہ روزگار جوں جوں روتا ہی اس کی بےچینی بڑھتی جاتی ہے اور جوں جوں اسے ہچکیاں آتی ہیں اسے خیال پیدا ہوتا ہے کہ اب وہ بالکل بھلایا جا رہا ہے۔

رشکِ واثر و نہ اثر باعثِ صد جوش ہوا ۔۔۔ ہچکیوں سے میں یہ سمجھا کہ فراموش ہوا

جلوہ فروشی

یار کی جلوہ فروشی اور عشاق کی نظر بازی کتابِ عشق کا ایک دلچسپ ترین باب ہے مومن نے اس حدیث پر کیف کو مختلف انداز سے بیان کیا ہی اور اپنی بلند پردازی اور رفعت تخیل کے ناقابل تردید ثبوت پیش کئے ہیں۔

شب وصل محبوب نے اپنے گل رخ کی آب وتاب بڑھانیکے لئے مے نوشی کی۔ عاشق میں بھلا کہاں تاب، کہ روے جاناں کی دید کی تاب لا سکے۔ اس لئے وہ اس کے حسن بے نقاب کی شراب سہ آتشہ سے بیہوش پڑا ہے۔ لیکن جب کبھی وہ کچھ وقت کیلئے ہوش میں آتا ہے تو محبوب شراب سے مخمور ہو کر مدہوش ہو جاتا ہے۔ اس دلفریب منظر کو مومن یوں بیان فرماتے ہیں۔

جلوہ افزائی رُخ کے لئے مے نوش ہوا ۔۔۔ میں کبھی ہوش میں آیا تو وہ بیہوش ہوا

اصغر علی محمد علی تاجر لکھنؤ سے ہر قسم کا عطر منگایئے

عاشق کے دل پر جو داغ پڑ گیا ہے۔ اسے یار کے رخ روشن سے ہمسری کا دعویٰ ہے۔ بلکہ وہ اپنی تابانی کو مایۂ ناز خیال کرتا ہے عاشق سے کب برداشت ہو سکتا ہے کہ وہ اس قدر لاف و گزاف کرے اس لئے روئے جاناں سے یوں خطاب کرتا ہے۔

شعلۂ دل کو ناز تابش ہے — اپنا جلوہ ذرا دکھا جانا

محبوب جلوہ فروز ہے۔ مگر عاشق کی یہ حالت ہے۔ کہ جب سامنے جاتا ہے۔ تو آنکھیں جھپک جاتی ہیں۔ اور محبوب کے جلوۂ مسرت ساماں سے بہرہ ور نہیں ہو سکتا۔

کیا کیجئے کہ طاقتِ نظارہ ہی نہیں — جتنے وہ بے حجاب ہیں ہم شرمسار ہیں

شبِ ماہتاب سے لطف اندوز ہونے کے لئے محبوب سیر کے لئے نکلتا ہے۔ عاشق یوں گویا ہوتا ہے۔ کہ اگر تم نے قدم رنجہ فرمایا تو آفتاب بھی شوق ملاقات کے لئے نکلیگا تاکہ تمھاری تجلی سے بہرہ مند ہو۔ اور یہ اجتماع مہر و ماہ اپنی نوعیت میں کتنا عجیب ہوگا

تم بہر سیر نکلے تو نکلیگا مہر بھی — ہو ویگا اجتماع شب ماہتاب میں

محبوب عاشق کو صبر کی تلقین کرتا ہے۔ کہ تم مجھے دیکھکر اتنے مضطرب کیوں ہو جاتے ہو۔ کیا تم نے اپنے جذبات پر قابو نہیں پایا۔ وہ جواباً عرض کرتا ہے کہ تمھاری دلربا شوخی اور دلفریب نگاہ ایسی نہیں کہ میں تو کیا کسی سے بھی صبر ہو سکے۔

عابد فریب شوخی و رغبت فزا نگاہ — میں کیا کسی سے صبر تجھے دیکھکر ہو

محبوب آئینہ دیکھنے کی تمنا کرتا ہے۔ مگر عاشق بایں خیال مانع ہوتا ہے۔ کہ وہ اپنا عکس رخ دیکھکر سراپا حیرت ہو جائیں گے اور یہ دلربا ادا خدا جانے اس کے دلِ زار پر کیا غضب ڈھائیگی۔ جب وہ حیرت سے تصویر بنے کھڑے ہوں گے۔

تاب نظارہ نہیں آئینہ کیا دیکھنے دوں — اور بن جائیں گے تصویر جو حیراں ہونگے

رقیب رقابت عربی میں تو یہ لفظ ان دو باتوں کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جو مستورات کی حفاظت اور نگہبانی کیا کرتے ہیں۔ مگر اردو نے فارسی شاعری کی متابعت میں اغیار، اعدا، بوالہوس تمام کے لئے استعمال کیا ہے۔ چونکہ اردو شاعری نیچرل شاعری نہیں کہلاتی۔ اور یہ وارداتیں تمام کی تمام قوت متخیلہ کی پیداوار ہوتی ہیں۔ اس لئے فرضی عاشق ہمیشہ فرضی رقیب کے ہاتھوں جاں بلب رہتا ہے۔ مصائب اور تکالیف کا نشانہ بنتا ہے۔ اور رسوائی و ملامت کے بے پناہ تیروں کا آماجگاہ۔ وہ سب کچھ کہتا ہے۔ مگر شاذ و نادر ہی نعمت وصل سے تمتع اٹھا سکتا ہے۔ وہ راندۂ درگاہ خیال کیا جاتا ہے اور انہیں ناکامیوں اور تلخ کامیوں میں آپ کو گھرا ہوا پاکر موت کے دامن میں پناہ لیتا ہے مگر رقیب بوالہوس ہو کر بھی وصلِ یار سے خوش کام رہتا ہے۔ اس کا دن عید اور رات شب برات ہوتی ہے اور اسی چہل پہل میں زندگی بسر کرتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان فرضی فسانوں نے شاعری کے باب میں ایک نئی فصل کا اضافہ کر دیا۔ ہماری شعراء کے بلند خیالی نے اس میدان میں بھی خوب جولانیاں دکھائیں

عطر حنا صغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے خریدیے

مومن نے بھی اس موضوع پہ قلم اٹھایا ہے لیکن حق یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا۔

جہاں محبوب کا نقش قدم پڑتا ہے عاشق وہیں سر جھکا دیتا ہے اور سجدہ کرتا ہے۔ جو عشاق کے یہاں سب سے بڑی عبادت ہے کوچۂ رقیب میں بھی چونکہ جاناں کی آمد و رفت رہتی ہے۔ عاشق کو وہاں کبھی جبہہ سائی کے متعدد مواقع پیش آتے ہیں۔ مگر رقیب کی گلی میں سر کے بل جانا اسے جذبۂ خودداری کی صریح تحقیر معلوم ہوتی ہے جسے وہ یوں بیان کرتا ہے۔

اس نقشِ پا کے سجدے نے کیا کیا کیا ذلیل　　میں کوچۂ رقیب میں بھی سر کے بل گیا

مضمون اور بندش الفاظ کے لحاظ سے شعر بہت بلند پایہ ہے۔ مگر "کیا" کے تواتر نے ثقل پیدا کر دیا ہے۔ مومن کے ہاں اس قسم کے بہت سے اشعار ہیں جنہیں ایک لفظ کو کئی کئی دفعہ استعمال کیا ہے۔ ایک اور شعر سن لیجئے۔

ضبط فغان گو کہ اثر تھا کیا　　حوصلہ کیا کیا، نہ کیا کیا کیا

اغیار کو اکثر یہ خدمت بھی انجام دینا پڑتی ہے۔ کہ عاشق کے زخمہائے دل و جگر پر نمک پاشی کریں عشاق کو نمک پاشی اور زخم تراشی میں جو لطف آتا ہے وہ مرہم اور دوا میں نہیں آتا۔ وہ چاہتے ہیں۔ کہ ان کا جگر خون، آنکھیں پرنم، اور گریباں چاک رہے وہ اپنے زخمہائے دل پر نمک پاشی کے متمنی ہوتے ہیں۔ لیکن وہ یہ گوارا نہیں کر سکتے کہ نمک پاشی اغیار کے ہاتھوں ہو کیونکہ عشاق کی عشق بازی کا مقصد ہی یہی ہوتا ہے کہ اور نہیں تو زخمہائے دل پر یار کے ہاتھوں نمک پاشی کا موقع تو نصیب ہو گا۔ لیکن اس صحبت میں کیا لطف جب رقیب اس خدمت کو انجام دے۔

غیر چھڑکے ہے زخم دل پہ نمک　　شور الفت میں بھی مزا نہ رہا

محبوب کبھی عاشق کے قتل کے بجائے رقیب پر بھی اقدام کرتے ہیں جس سے عشاق کی ترغیب یا ترہیب مقصود ہوتی ہے کبھی رقیب کے ارادہ قتل سے وہ مقتل میں آتے ہیں مگر کسی حیلہ و بہانہ سے رقیب کو قتل نہیں کیا جاتا۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ تساہل کی کوئی وجہ نہیں ملتی۔ اور رقیب کے خون سے ہاتھ رنگنا پڑتے ہیں۔ اسی قسم کے ایک منظر کو مومن یوں بیان فرماتے ہیں

عاشق نہو کہیں کہ انھیں قتل غیر ہیں　　مشکل بنی کچھ ایسی تساہل نہو سکا

رقیب ہی تمام مصائب کا سبب ہے، جب تک وہ زندہ ہے۔ عاشق کو ذرا امید نہیں کہ وصال یار ہو۔ ہاں اسے یہ امید واثق ہے کہ اگر وہ فنا ہو جائے تو پھر شاہد مقصود سے ہم کنار ہونے کا بہت کچھ امکان ہے۔ امید و یاس کے اس پہلو کو یوں بیان فرماتے ہیں۔

وہ ہو خالی، تو یہ خالی، یہ بھری تو وہ بھری　　کاسۂ عمر عدو حلقۂ آغوش ہوا

عشاق کو دق کرنے کے لئے محبوب اغیار سے میل ملاپ بڑھایا کرتے ہیں تاکہ عاشق آتش رشک میں جلا کرے۔ ہر چیز عادت کے بعد بے کیف ہو جاتی ہے۔ عاشق اس رنج سے خو بھی خوگر جاتا ہے اور محبوب سے مخاطب ہوتا ہے کہ میں اس رنج سے [illegible]

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا کارخانہ بہت مشہور ہے

ہوچکا ہوں۔ اب ، اور کوئی صورت پیدا کیجئے ، کہ مجھے تکلیف ہوا کرے۔

خو رنج رشکِ غیر کی بھی ہمکو ہوگئی — اب اور کچھ نکالئے آزار کی طرح

محبوب غیر سے بے پروائی برتتا ہے۔ گویا یہ اس کے عشق کا امتحان ہے مگر بوالہوس سے یہ جور وستم نہیں سہا جاتا۔ اور محبوب سے بگڑ جاتا ہے۔ عاشق کو بھی اس کا علم ہوتا ہے۔ تو محبوب سے خطاب کر کے یوں لب کشا ہوتا ہے کہ اس کم ظرف میں اسکی کہاں تاب کہ تمھاری لاپروائی اور اعراض کو برداشت کر سکے انھیں اپنے مطلب سے مطلب ہے جب ذرا ان کی چلتی گاڑی میں روڑا اٹکا وہ رفوچکر ہوئے۔

تابِ کم ظرف کو کہاں، تم نے — دشمنی کی عدو سے چاہ نہ کی

منجم عاشق کے یہاں اس کی سازگاری طالع کے لئے آتا ہے، تاکہ زائچہ دیکھکر سعد ونحس کے مطابق علاج تجویز کرے، عاشق کی خستہ حالی، بے سروسامانی سے وہ اندازہ لگاتا ہے کہ جس محبوب کے عشق میں عاشق کی حالت یہ ہو۔ خدا جانے وہ کیسا غیرتِ یوسف ہوگا نادیدہ عاشق ہوجاتا ہے عاشق تب۔ روزگار اپنے طالع کی ناسازگاری پر ماتم کرتے ہوئے یوں گریاں ہوتا ہے۔

دیکھ اپنا حال زار منجم ہوا رقیب — تھا سازگار طالع ناساز دیکھنا

دوسرا مصرع ذومعنیین ہے (۱) منجم بھی نادیدہ عاشق ہوگیا۔ یہ صاحب سازگار ہو کر آئے تھے۔ اپنے ناسازگاری طالع کا کیا کہوں کہ ایک اور رقیب پیدا ہوگیا ہے (۲) منجم بھی عاشق ہوگیا۔ اس کے طالع ناساز کی ناسازگاری تو دیکھو۔ یہ سازگار ہو کر آیا تھا کہ اپنی ہی قسمت بگاڑ بیٹھا۔

موت شب ہجراں، اور اندوہ عشق سے تنگ ہو کر عشاق موت کی تمنا کیا کرتے ہیں۔ اور اس جانکاہ مصیبت کا انکے ہاں یہی واحد علاج ہے کہ وہ فنا کی نیند سو جائیں اور دنیا اُن کے افسانوں کو یک قلم بھول جائے۔ ہر مشرقی شاعر کو چونکہ التزاماً عاشق بھی بننا پڑتا ہے اور اس حالت میں اُسے تکلیفوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے جو عشق میں عشاق کو پیش آتی ہیں۔ مومن نے بھی اس مضمون کو باندھا ہے۔ مختلف انداز سے باندھا ہے اور اپنے تخیل کے بل بوتے پر اس پامال مضمون کو کہیں سے کہیں لے گئے ہیں۔

انسانی تدابیر کی ناکامیابی انتہائے یاس اور نا امیدی ہے۔ یہ وہ لاعلاج مرض ہے جس کا علاج سوائے اُمید کے کچھ نہیں عاشق شب ہجراں کی تکالیف سے دوچار ہے اور اُسے زندگی دوبھر ہو رہی ہے۔ اور یقین ہے کہ وہ فنا ہو جائیگا۔ لیکن تپ ہجراں کی تکالیف سے وہ یوں جانبر ہوتا ہے کہ اسے موت کی اُمید بندھ گئی ہے اور موت کی آس کے دامن میں پناہ لیکر موت کے قابو سے بچ نکلا ہے۔

کارخانہ صغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے ہر قسم کا عطر خرید کیجئے

آخر امید ہی سے ہی چارۂ حرماں ہوگا　　مرگ کی آس پہ جینا شبِ ہجراں ہوگا

یار کے لب ہائے جاں بخش پر جان دیکر عاشق نے مصائب ہجر سے نجات حاصل کر لی۔ اور کسی چارہ گر کے علاج کا ممنون بھی نہ ہونا پڑا۔

مر گئے اس کے لب جاں بخش پر　　ہمنے علاج آپ ہی اپنا کیا؀

لبِ جاں بخش پر مرنا زندگی کے مرادف ہے اس لحاظ سے عاشق نے موت سے ہم آغوش ہوکر زندگی حاصل کر لی۔ مسیح تمام بیماریوں کا واحد علاج تسلیم کیا جاتا ہے۔ ہجر کی زندگی ہزار دفعہ مرنے سے بھی کہیں زیادہ تلخ تھی۔ عاشق نے مر کر اپنی تمام تکالیف کا علاج موت سے کرالیا

زندگیِ ہجر بھی اک موت تھی　　مرگ نے کیا کار مسیحا کیا؀

عاشق جلاد کے حوالے کیا جاتا ہے۔ اپنی بے گناہی اور معصومیت کا یقین ہے اس لئے وہ چاہتا ہے کہ جلاد کے پاؤں پڑکر اپنی جان بچالے مگر اس پر اقدام نہیں کرتا۔ کہ مبادا جلاد کو معشوق کے سامنے لاجواب ہوکر خجالت اٹھانا پڑے اور عاشق کی مروت اسے جائز نہیں رکھتی۔

تھے بیگناہ جرأت پابوس تھی ضرور　　کیا کرتے وہم خجلت جلاد آگیا

محبوب عشاق کی محفل میں جلوہ فروش ہے حسب معمول وہ محفل سے اُٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ محبوب کا اٹھنا تھا کہ عاشق جاں بحق ہوجاتا ہے۔ مومن اس مضمون کو یوں دلآویز انداز میں بیان فرماتے ہیں۔

اس کے اُٹھتے ہی ہم جہاں سے اُٹھے　　کیا قیامت ہے دل کا آجانا

مرض عشق بڑھتے بڑھتے اتنا لاعلاج ہوجاتا ہے۔ کہ اس بلائے بے درماں کا علاج موت سے بھی نہیں ہوسکتا۔ عاشق اس سیہ بختی کا یوں ماتم کرتا ہے۔

اب کوئی کیا کرے علاج افسوس　　موت نے بھی دیا جواب ہمیں

عاشق موت کا اتنا شیدائی ہے کہ وہ رقیب کو غیرت دلاکر اپنی موت کے سامان بہم پہونچانے کی کوشش کرتا ہی کہ اسکے آتش رشک بھڑک اُٹھے اور اس بہانے سے اس کا خاتمہ کردیا جائے۔

اے کاش عدو کو غیرت آئے　　میں منتظر اپنی موت کا ہوں

وصل و ہجر

کتاب عشق میں یہ بات بہت اہم ہے۔ عشق و محبت کی بہت سے واردات اس سے وابستہ ہیں، وصل و ہجر میں مختلف جذبات اُبھرتے ہیں۔ اور شاعر ان کو نظم کرتا ہے۔ وصل و ہجر کی کہانیاں چونکہ عامۃ الوقوع ہیں۔

عمدہ عطر ملنے کی جگہ صغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے منگائیے

اس لئے ہر انسان کو ان کا کچھ نہ کچھ تجربہ ضرور ہوتا ہے انہیں عام جذبات کو خاص انداز سے اس طرح بیان کرنا کہ ہر کس و ناکس لطف اندوز ہو شاعرانہ کمالات کے تحت میں ہے۔ بدبختی سے چونکہ مشرقی دنیا کے عاشق کی ہستی نہایت بدبخت ہوتی ہے اس لئے ہمیشہ ہی ہجر آشنا رہنا پڑتا ہے اور اگر کبھی موصلت کا موقع بھی نصیب ہوجائے تو اس کے مصائب بھی کماً و کیفاً مصائب ہجر سے کم نہیں ہیں۔ اس لئے قدرتی طور پر ان کے کلام میں تضرع اور درد کا رنگ آجاتا ہے۔ انسان کی فطری حالت خوشی و مسرت ہے، کیا یہ خلاف فطرت نہیں کہ انسان ہر وقت مبتلائے غم فردا رہے اور حالات صلاح کے بعد بھی بدستور غیر موافق رہیں۔ مغرب اور عرب کی شاعری چونکہ حالیہ شاعری ہوتی ہے اس لئے ان کا کلام سراپا سوز و گداز ہوتا ہے۔ مجنوں کی اس غزل کا آخری شعر جو اس نے ایک الزام کے جواب میں کہی ہے۔ ایک دنیائے سوز و گداز ہے۔

فَاِن تک لیلےٰ بالعراق مریضۃ	اگر بالفرض لیلےٰ عراق میں بیمار ہی تو
فانی لفی البحر الحتوف غریق	میں بھی تو موت کے دریا میں غوطے کھا رہا ہوں

مرغ نے اذان کہی۔ اور محبوب عاشق کے پہلو سے اُٹھ کر گھر چلا گیا۔ لیکن اس کے بعد جو کچھ عاشق پر گزری اس نے حشر کا نقشہ پیش کر دیا۔ مومن اور مُرغ صبح کو صور قیامت قرار دیکر اس فتنہ کو فتنۂ محشر سے تشبیہ دیتے ہیں۔

وہ قیامت قد جو اُٹھا حشر برپا ہوگیا　　صور تھی منقار مرغ صبح پہلو سے مرے

نومیدی نے شوقِ وصال کی متاعِ بے بہا کو بھی غارت کر ڈالا اور سرمایۂ اندوہِ ہجراں کو بھی تباہ کر دیا جب شوق وصال کا لطف یاد آتا ہے تو یاس و ناکامی کا گلہ کیا جاتا ہے۔ لیکن جب ادھر نظر پڑتی ہے کہ دردِ ہجراں کی تلخ کامیوں کا بھی خاتمہ ہوگیا تو نومیدی کی جان کو دعائیں دی جاتی ہیں۔

شوق وصال و اندُہِ ہجراں نہیں رہا　　ناکامیوں کا گاہ گلہ گاہ شکر ہے

شب وصال ہے عاشق نے شکوہ، شکایت کے دفتر کھول رکھے ہیں۔ اور محبوب ہے کہ طعنوں کے تیر برسا برسا کر عاشق کے دل کو زخمی کر رہا ہے۔ اس پر لطف منظر کو یوں فرماتے ہیں۔

باہم تھی کس مزے کی لڑائی تمام شب　　واں طعنہ تیر بار، یہاں شکوہ زخم ریز

ہجراں کی تکالیف سے عاشق کا جینا دو بھر ہوچکا ہے۔ وہ موت سے لپٹ کر اس بے سود زندگی کا خاتمہ کرنا چاہتا ہے، مگر زندگی ہے۔ کہ گلے کا ہار ہو چکی ہے اور ختم ہونے کو نہیں آتی۔

ہم سے وفائے زندگیِ بیو فا عبث　　اُمید وعدہ بھی تو نہیں روز ہجر میں

جس غم سے جاں بلب ہو کر عاشق نے موت کے دامن میں پناہ لی تھی زندگی کا سر رشتہ ہاتھ سے چھوٹنے کے بعد اس غم کا بھی

ہر قسم کا عطر صغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے منگایئے

خاتمہ ہوگیا۔ مرنے کے بعد عاشق پر یہ حقیقت کھلی۔ کہ غمِ ہجر میں جینا کس قدر عبث اور بے کار ہے

جس غم میں مر رہے تھے وہ غم ہی نہیں رہا افسوس مر کے دیکھا کہ جینا ہے کیا عبث

عاشق قریبِ مرگ ہے۔ اور آج ہی وعدۂ ملاقات پورا ہونا ہے۔ ادھر یہ ڈر ہے سانس آئے یا نہ آئے۔ اودھر یہ فکر دامن گیر کہ کہیں حسبِ دستور آج بھی وہ نہ آئیں۔ اس عالم کشمکش کو یوں بیان کرتے ہیں

نزع ہے اور روزِ وعدۂ وصل ہے بہر طور دم شماری آج

عاشق قریب الموت ہے۔ اور بیساختہ اس کے منہ سے دعائیں نکل رہی ہیں کہ اے خدا مجھے محبوب سے ملادے۔ لیکن جب عاشق کو ان دعاؤں کا احساس ہوتا ہے تو وہ دعاؤں کو منع کرتا ہے کہ خواہ مخواہ استجابت کے لئے اتنی بے قرار نہوں اسلئے کہ اگر انھیں قبولیت کا درجہ بھی عطا کر دیا گیا جب بھی وہ شام سے پہلے آ نہیں سکتے اور شام تک میری روح ہوا ہو جائیگی۔ اس لئے خواہ مخواہ انہیں یہ احسان اپنے سر نہ لینا چاہئے۔

ہم تو بچتے نہیں تا شام وہ آئیں بھی تو کیا اے دعائے سحری منت تاثیر نہ کھینچ

محبوب عاشق سے دریافت کرتا ہے کہ عشق کیا چیز ہے اس کے جواب کے لئے عاشق اثرِ غم سے فرمائش کرتا ہے کہ ذرا وہ عشق کی حقیقت آپ پر واضح کردے۔

اثرِ غم ذرا بتا دینا وہ بہت پوچھتے ہیں کیا ہے عشق

درازیِ شبِ ہجراں کی تلخی کسی سے مخفی نہیں۔ مگر عاشق محض اس لئے شبِ ہجراں کی اس درازی میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں چاہتا۔ کہ محبوب اچھی طرح آسودۂ خواب ہو جائے فرماتے ہیں۔

تا نہ پڑے خلل کہیں آپ کے خوابِ ناز میں ہم نہیں چاہتے کمی اپنی شبِ دراز میں

محبوب شامِ ہجراں کی محض عاشق کے چھیڑنے کے لئے مدح سرائی کرتا ہے تاکہ عاشق خوب جلے۔ مومن اپنی حماقت پر افسوس کرتے ہیں کہ میں نے کیوں اس کو چھیڑا، اور یہ گفتگو سنی۔

ہے طعن سے مدحِ شامِ ہجراں تو میں کیسی بلا کو چھیڑتا ہوں

عاشق آئے دن کی تکالیف اور روزمرہ کے حوادث سے تنگ ہے۔

حسرتیں میرے نصیبوں میں لکھی ہیں کیا کیا اتنے دفتر ہیں کہیں فصل نہیں باب نہیں

حفظِ سرِ عشق میں نہایت ضروری ہے۔ مگر عاشق نے اپنا راز کسی سے کہدیا ہے۔ جب ہوش میں آتا ہے تو اسے اپنی غلطی کا احساس ہوتا ہے۔ کہ کیوں میں نے اس جرم کا ارتکاب کیا۔

ہر قسم کا عطر اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے منگایئے

باتیں وہ تیری ہوش رہا ہیں کہ کیا کہوں　　　جو کوئی رازداں ہو مرا رازداں نہیں

غمِ ہجراں میں عاشق کے روحانی اضطراب کا پارہ بہت بلند ہو جاتا ہے۔ اس اضطراب کی کیفیت کو وہ یوں بیان کرتا ہے کہ دل پاش پاش ہو چکا ہے، اور دل کی قاشیں اس کی آنکھوں اور منھ سے جھڑ رہی ہیں۔

بے نالہ منھ سے جھڑتے ہیں، بے گریہ آنکھ سے　　　اجزائے دل کا حال نہ پوچھ اضطراب میں

کوئے یار میں عشاق کا ایک جمگھٹا رہتا ہے۔ یار کے حسنِ جہاں تاب کا یہ عالم ہے کہ تمام دنیا اس کی شیدائی ہو اس لئے گھر چھوڑ چھوڑ کر دنیا اس کی گلی میں جمع رہتی ہے۔ گویا تمام دنیا میں صرف یار کی گلی ہی آباد پائی جاتی ہے

رہتے ہیں جمع کوچۂ جاناں میں خاص و عام　　　آباد ایک گھر ہے جہانِ خراب میں

شب وعدہ ہے۔ اور محبوب حسب وعدہ آنے کی تکلیف گوارا نہیں کرنا چاہتا۔ عاشق کو جس کرب و بلا کا سامنا کرنا پڑا ہے مومن اس کو یوں بیان کرتا ہے۔

کیا کہوں تم جو نہ آئے کیا قیامت آگئی　　　میہماں تھا میرے گھر میں روزِ محشر رات کو

یہ تو معلوم ہی ہے۔ کہ عشاق کی دعائیں کبھی بھی اثر ساماں نہیں ہوئیں۔ اور جب متعدد بار ایک فعل پر ایک ہی اثر مترتب ہو۔ اور وہ اثر پسند خاطر نہ ہو۔ تو انسان اس کی ضد سے اس اثر کی ضد کی تمنا کرتا ہے۔ جب ہزاروں بار وصل کی دعائیں نامقبول ہوئیں تو عاشق نے لاچار ہو کر ارادہ کر لیا۔ کہ اس کے بعد ہجر یار کی دعا مانگا کریں گے۔ تا کہ اس دعا کا بھی حسب معمول الٹا اثر پڑے اور وصالِ یار نصیب ہو۔

مانگا کرینگے اب سے دعا ہجر یار کی　　　آخر تو دشمنی ہے دعا کو اثر کیساتھ

حسرتِ دیدار سے عاشق کی جان پر بنی ہے، آخر گھبرا کر جان دیدیتا ہے۔ اور خوش ہوتا ہے۔ کہ بہت اچھا ہوا۔ اور اس مردنِ دشوار سے بہت آسانی سے نجات ہو گئی۔

کچھ نہ سوجھا حسرتِ دیدار سے　　　سہل چھوٹے مردنِ دشوار سے

عاشق نے شبِ ہجراں کی تکلیف سے نجات پانے کی ہر چند کوشش کی مگر جانبر نہ ہو سکا اور جان بحق ہو گیا۔ اپنی شکست کا یوں اقرار کرتا ہے۔

نہ کٹی مجھ سے شب جدائی کی　　　کتنی ہی طاقت آزمائی کی

غم ہجراں سے گھبرا کر عاشق یار کی تلاش میں نکلتا ہے۔ اتفاقاً کوچۂ غیر میں یار سے دوچار ہوتا ہے۔ اپنی اس ہرزہ تازی کی یوں ہجو سرائی کرتا ہے۔

ہر قسم کا عطر منگانے کا پتہ اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ

کوچۂ غیر میں ملا وہ ہمیں ٭ ہرزہ تازی نے رہنمائی کی

ناصح

ناصح کا وجود عشق کی ضروریات میں شمار ہوتا ہے۔ شعراء نے اس پر خوب خوب طبع آزمائیاں کی ہیں۔ مومن کا ایک شعر بہت مشہور ہے۔ ہم اس کو لکھکر مضمون ختم کرتے ہیں۔

آئے دن کی ذلتوں اور روزمرہ کی تکالیف سے ناصح کو کوفت محسوس ہوتی ہے۔ وہ عاشق سے استدعا کرتا ہے کہ خدا کے لئے اس عشق خانہ برانداز سے دست کش ہو جاؤ۔ مگر عاشق کے رگ و پے میں عشق کا زہر غم سرایت کر چکا ہے۔ اسے اپنی زیست کا سامان نظر آتا ہے۔

چھٹ کر کہاں اسیر محبت کی زندگی ٭ ناصح یہ بندِ غم نہیں قید حیات ہے۔

عزیز

اصلاح سخن

ترتیب موضوع کے لحاظ سے اردو میں پہلی کتاب جس میں جناب شوق سندیلوی نے اپنی پچھلی غزلوں کو معہ ان تمام اصلاحوں کے یکجا کر دیا ہے جو مشاہیر شعرا نے دی تھیں ایک ہی وقت میں ایک ہی شعر پر اساتذۂ فن کے مختلف و متضاد رائیں اور اُن کے متعدد پرلطف خطوط دیکھنے کی چیز ہیں۔ قیمت صرف تین روپیہ :۔ منیجر نگار نظیر آباد لکھنؤ سے طلب کیجئے۔

تصنیفات مولینا نیاز فتحپوری

نگارستان ۲عہ

صحابیات ۲عہ

گہوارۂ تمدن ۲عہ

شہاب کی سرگزشت عہ

اگر علحدہ علحدہ یا سب بذریعۂ وی۔ پی یہ کتابیں منگائی جائیں گی تو علاوہ محصول ۸عہ میں روانہ کی جائیں گی اور اگر آپ

صرف چھ روپیہ بذریعۂ منی آرڈر پہلے روانہ کردیں تو یہ کتابیں معہ محصول آپ کو چھ روپیہ میں بھیجدی جائیں گی۔

منیجر نگار نظیر آباد لکھنؤ

اصغر علی محمد علی تاجر عطر کی دوکان بہت مشہور ہے

میمونہ

(فسانہ)

میمونہ اپنے والدین کی اکلوتی بیٹی تھی۔ اس کے والد ریاض الحسن تعلیم یافتہ لوگوں میں سے تھے۔ مسلمانوں میں جو انگریزی تعلیم کی طرف انیسویں صدی کے اخیر میں میلان شروع ہوا تھا اور جس کے اثر سے بعض لوگ مغرب پرست بن گئے تھے۔ اسی دور کے طالب علموں میں سے یہ تھے۔ لیکن ابتدا ہی سے ان کا مزاج انتہا پسند نہ تھا۔ میانہ روی انکا شیوہ تھا۔ اس لئے زندگی میں داخل ہونے کے بعد گو اُنھوں نے اپنی معاشرت و طرز بود و ماند میں کوئی مکمل انقلاب تو پیدا نہ کیا۔ مگر نئی تہذیب کی چند ابتدائی اور غالباً مفید باتیں انھوں نے ضرور اختیار کریں، ایک کوٹھی میں رہنا شروع کر دیا اور کوٹھی کے چاروں طرف ایک باغ لگایا۔ احاطہ کے لئے جو دیوار تھی وہ بہت کافی بلند تھی اور جس وقت زنان خانہ سے تفریح کی خواہش کی جاتی، اور مردانہ آمد و رفت بند ہو جاتی تو باہر سے بے پردگی کا قطعاً احتمال نہ رہتا تھا۔ میمونہ اُنکی بڑی تمناؤں کی لڑکی تھی۔ ابتدائی چند سالوں میں اُن کے کوئی اولاد نہیں ہوئی، اور یہ بالکل مایوس ہو چکے تھے کہ تائید غیبی سے اُنھیں یہ گوہر نایاب میسر آیا۔ جسقدر محبت میمونہ سے ہونی چاہیئے تھی وہ ظاہر ہے۔ پھر اُن کی خوش قسمتی سے لڑکی حسین، ذہین اور طباع تھی۔ اس کی تعلیم و تربیت کا نہایت معقول انتظام کیا گیا۔ لیکن کسی مدرسہ یا کالج میں داخل کرنا نہ تو دل نے گوارا کیا اور نہ مناسب سمجھا گیا۔ جو کچھ تعلیم تھی گھر پر ہی اُستاد اور استانیوں کے ذریعہ سے دلائیگئی۔ لاڈ پیار ہر چند بہت تھا۔ لیکن ماں کی صحبت نے لڑکی کی طبیعت کو بہت سنبھالے رکھا۔ ماں بہت ہی سنجیدہ اور سمجھدار عورت تھی۔ اور اگرچہ اُن کا دل یہی چاہتا تھا کہ بیٹی کی ہر خواہش پوری کریں۔ لیکن جی پر جبر کر کے کبھی اُسے حد سے نہ گزرنے دیتی تھی۔ تعلیم اردو، فارسی اور تھوڑی بہت انگریزی کی دی گئی تھی۔ طبیعت میں نفاست اور سلیقہ فطرت کی طرف سے تھا۔ ماں اور باپ بیٹی کی تربیت و تعلیم سے ہر طرح پر مطمئن تھے اور اب اُس کے لئے ایک مناسب بر کی جستجو انھیں دامنگیر تھی۔ میاں بیوی رات کو دیر تک جاگتے رہتے اور اسی بات پر گفتگو کیا کرتے کہ میمونہ کے رفیق زندگی میں کیا کیا خصوصیات ہونی چاہئیں۔ کن قابلیتوں کے شخص کے ساتھ میمونہ کا نباہ ہو سکتا ہے اور وہ کس کے ساتھ آسایش کی زندگی بسر کر سکتی ہے۔ ایک بات ذرا بیوی کے دل میں کھٹکتی تھی۔ وہ کہا کرتی تھیں کہ میمونہ عام سطح سے ذرا زیادہ بلند ہو گئی ہے۔ تنہائی پسند ہے اور عام طور پر مجمع میں کھنچی ہوئی سی رہتی ہے۔ بدگمان لوگ اُسے مغرور سمجھنے لگے ہیں۔ مگر ریاض الحسن بگڑ کر کہتے ہیں کہ "دنیا کی باتوں کا تم کہاں تک خیال کرو گی۔ ہمارے جاہل اور تنگ خیال رشتہ داروں

ہر قسم کا عطر اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے منگایئے

کے نزدیک وہ بیشک مغرور رہے۔ اُن کے معیار پر بیشک وہ پوری نہیں اُتریگی۔ ان کی بدتمیزیوں اور نادانیوں سے یقیناً وہ ہمدردی نہیں رکھیگی اور اگر اُس کا یہی قصور اُسے معتوب کئے ہوئے ہے تو میں خوش ہوں۔ کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ میری تربیت بالکل ضائع نہیں گئی۔ غرضکہ رات کو وہ یہ سوچتے اور دن کو اس بات کی تلاش میں رہتے کہ کوئی مناسب منگیتر ملجائے۔ رشتے مختلف جگہ سے آتے تھے، لیکن کچھ تو ایسے تھے جو اُن دونوں کی نگاہ میں نہیں جچتے تھے اور کچھ ایسے جنھیں میمونہ نے جس کی آواز کو وہ اس معاملہ میں کافی اہمیت دیتے تھے، پسند نہ کئے۔

۲

میمونہ کو پندرہواں سولھواں سال لگ چکا تھا۔ نوجوانی کی امنگوں نے اپنا اثر دکھانا شروع کر دیا تھا۔ شعر و نغمہ اسکے عزیز ترین مونس و ہمدرد تھے۔ افسانے اور رنگین قصے اس کے مطالعہ کا ایک بڑا جزو بن گئے تھے۔ لیکن انھیں پڑھکر اُسکی تسکین نہ ہوتی تھی۔ قصہ پڑھ کر اُسے اُلجھن سی ہوجاتی تھی، وہ اسے نامکمل خیال کرتی تھی۔ ذوق ابتدا ہی سے پاکیزہ تھا، اُستادوں کے کلام نے سونے پر سہاگے کا کام کیا۔ لکھنے والے ہرچند برگزیدہ و منتخب ہوتے تھے، مگر اُس کے وجود کی شعریت کو وہ کسیطرح اپنی تصانیف میں منتقل نہ کر سکتے تھے۔ اس کی طبیعت دریا تھی پر جوش، ایک صحرا تھی وسیع، ایک سمندر تھی بے پایاں، ایک فضا تھی سکوں کوش، ایک ساحل تھی ہمت شکن، ایک نغمہ تھی سحر آفرین، ایک التجا تھی بلند پرواز۔ غرضکہ اس کی ہستی پر شباب اپنے وجود کی لامتناہیوں میں اسقدر سرشار تھی کہ بعض وقت وہ خود گھبرا جاتی تھی اور کہ اُٹھتی تھی کہ،، اے میرے معبود! میرا انجام کیا ہوگا؟

۳

ریاض الحسن صاحب کے ایک کالج کے دوست عبدالرحمٰن الہ آباد آئے ہوئے تھے۔ اُن کا نوجوان لڑکا اُن کے ہمراہ تھا انیس آگرہ کالج میں تعلیم پا رہا تھا۔ یہ زمانہ کالج کی تعطیل کا تھا۔ اُن کے والد کو ایک خاص ضرورت سے الہ آباد آنا پڑا اور چونکہ اپنے دوست سے ملے ہوئے بہت عرصہ گذر گیا تھا اور اُنھیں انیس کو دیکھنے کا کبھی اتفاق نہ ہوا تھا اس لئے تعارف کے لئے اُسے بھی ہمراہ لیتے آئے۔ ریاض الحسن اپنے دوست سے ملکر بہت خوش ہوئے، اور اُن کے لڑکے کو بھی بہت پسند کیا۔ چہرے سے ہوشمندی اور بلند اقبالی ظاہر ہی ہوتی تھی، والد نے افتخار پدرانہ کیساتھ اپنے بچے کے ایک نئے اعزاز کا تذکرہ کیا۔ کالج میگزین میں اسی زمانہ میں انیس کا ایک مضمون شائع ہوا تھا جس کی بہت دھوم تھی۔ دوست احباب اور ان کے والد کے ملاقاتی سب تعریف کرتے تھے۔ انھوں نے انیس سے کہا کہ اپنا وہ مضمون چچا جان کو سنائیے۔ انیس نے ایک اصلی نہ کہ بناوٹی تکلف کیساتھ اپنے مضمون کی خامی اور اپنے خیالات کے ارتقا کا عذر پیش کر کے بات کو ٹالنا چاہا۔

ہر قسم کا عطر اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے منگائیے

زیادہ اصرار پر اُسے مضمون سنانا پڑا اور ریاض الحسن نے بہت تعریف کی۔ اسی وقت اپنے مہمانوں سے درخواست کی کہ میں اپنی اہلیہ اور میمونہ کو بھی اس مضمون کو سنانا چاہتا ہوں۔ وہ سنکر بہت خوش ہونگی۔ اسلئے مجھے اجازت دیجئے کہ میں جاکر یہ مضمون خود ہی سنا آؤں۔

گھر میں مضمون سنا گیا۔ لیکن جس حصۂ مضمون نے میمونہ کو بہت زیادہ متوجہ کیا وہ حسب ذیل تھا:۔

"بعض مفہوم ایسے ہیں جن کے ادا کرنے کے لئے الفاظ وضع نہیں ہوئے ہیں۔ تہذیب جدید کی جس خصوصیت سے مجھے سخت عناد ہے وہ اُس کا جنون اظہار ہے۔ مشاہدہ، تجزیہ، تحلیل، تفہیم، تجربہ، اظہار۔ یہ جذبہ ہے جو اس دور کے ہر فرد پر حاوی ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ یہ طریقہ کار فی نفسہ بُرا ہے۔ میرا اعتراض محل استعمال پر ہے علمی تحقیق و اکتشافات کے لئے ممکن ہے یہ ناگزیر ہو۔ لیکن جب یہ ہوا اُن فضاؤں کو مسموم کرنا شروع کر دیتی ہے، جن کا تعلق محض محسوسات سے ہے تعقل و ادراک سے نہیں تو میں برداشت نہیں کر سکتا کیونکہ میں سمجھتا ہوں اور واقعات میری تائید کرتے ہیں کہ اسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اصلیت اور حقیقت کی جگہ فریب اور دروغ گوئی کا دور دورہ شروع ہو جاتا ہے۔ اور نظام معاشرت اُس دور تاریک سے گزرنے لگتا ہے جبکہ اہل بصیرت کو تباہی و ادبار منڈلاتے ہوئے نظر آنے لگتے ہیں۔

محبت جیسی پُر وقار و باتمکنت شے جب ہر بوالہوس کی ستم ظریفیوں کی رہین منت ہونے لگے تو میرے ضبط و سکون کیلئے اس سے زیادہ کوئی موقع آزمایش کا نہیں ہو سکتا۔ محبت کی وہ خودداریاں، وہ عزت نفس، وہ استغنا، وہ شان بے نیازی جسکے روبرو بعض وقت حسن کو بھکاری بن جانا پڑتا ہے، جب میں یہ دیکھتا ہوں کہ وہ سب غارت ہوئے چلے جا رہے ہیں تو مجھے بالکل تاب نہیں رہتی۔ علم سے فائدہ اٹھانے کے لئے اور سینکڑوں راہیں ہیں اس راہ کی کٹھن اور دشوار گزار منزلوں کو تو انھیں کے حال پر چھوڑ دیا جاتا۔ مکہ و مدینہ کے مسافر ریل اور موٹر کے محتاج نہیں ہیں۔ لیکن نہیں۔ زمانہ کا اقتضا شاید یہی ہے۔

عورت آہ اُسکی محبت کیا اب پردہ دری کیساتھ بھی منظر عام پر آئیگی اور بلند آہنگی سے اپنا اعلان کریگی شعر و شاعری فسانہ نگاری، اظہار تمنا کیا عورت کی طرف سے شروع کیا جائیگا۔ اے میرے خدا کیا اب یہ سب کچھ ہوگا۔ محبت کی رازداریاں رمز و کنایہ، غمزہ و اشارہ، شرم و حجاب کیا یہ سب رخصت ہو جائینگے؟ کیا عورت کا محبت کرنا سٹیج پر آکر باقاعدہ ایکٹ کرنیکے مترادف ہوگا؟ کیا اُس کی جادو بیانی محبت کے اسرار بیان کرنے میں کامیاب ہوگی؟ کیا وہ سب کچھ کہ دیگی اور کر دکھائیگی، جو اُسے نہ کہنا چاہئے اور نہ کرنا، اور جو صرف دو محبت کرنیوالے دل محسوس کرتے ہیں، لیکن سمجھتے نہیں۔ آہ کیا وہ ہکلی ہکلی باتیں، مہمل و بے ربط گفتگو، معصوم سراسیمگی، خوف گفتار کی مجبوریاں، دبیچارگیاں، تکلم خاموش، یہ سب ہمیشہ کے لئے رخصت ہوئے، اور اُن کی جگہ نہایت

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کی ایک شاخ چاندنی چوک دہلی میں ہے

پاکیزہ، منتخب موزوں، بلیغ، واضح، جامع، مانع، طرز کلام کو عطا کر دی گئی۔ اگر یہ سچ ہے تو آئیے اس ویرانہ کی آبادی پر دو آنسو بہا ڈالیں۔ اور عورت کی محبت سے اس عہد حاضر میں بالکل نا امید ہو جائیں۔

جوانی کی راتیں مرادوں کے دن اور میمونہ۔ یعنی تمنا سے محروم تجسیم مدعا سے معذور، ترکیب مقاصد میں ناکام۔ یہ جوش طبیعت، یہ طوفان تخیل یہ سیلاب جذبات اور ایک حصار سنگیں میں مقید۔ میمونہ اڑ جانا چاہتی تھی، پھیل جانا چاہتی تھی، تمام کائنات میں جاری و ساری ہونیکے لئے بیقرار تھی ایک طائر تھی تو گرفتار ایک پری تھی، شیشہ میں بند۔ اور خاصکر آج جبکہ چاندنی اپنے شباب پر تھی اور گزشتہ روز کے ترشح نے تمام باغ میں نکھار پیدا کر دیا تھا۔ شادابی اور رونق معلوم ہوتا تھا پھٹ پڑیگی۔ اور اس گوشۂ زمین کو اڑا کر پرستان میں پہنچا دیگی۔ اس کی طبیعت کی بےچینی بے انتہا ترقی کر گئی تھی وہ چاہتی تھی گلاب کو چوم لے، سرو سے لپٹ جائے۔ چاندنی کو اپنے دل میں اتار لے۔ دیوانہ وار پھر رہی تھی ایک نشہ و سرور طبیعت پر چھایا ہوا تھا۔ نگاہ کے سامنے اندھیرا سا تھا۔ خمار سے آنکھیں بند ہوئی جاتی تھیں۔ اعضا میں میٹھی میٹھی دکھن سی تھی۔ وہ فوارہ کی طرف بڑھ رہی تھی۔ پیازی رنگ کی ساری پہنے ہوئے تھی آنچل بے خبری میں سر سے سرک گیا تھا۔ گھنے سرو اس فوارہ کے کونوں پر لگے ہوئے تھے۔ دوب کا فرش اس کے چاروں طرف بچھا تھا۔ ہوا آہستہ آہستہ چل رہی تھی۔ درخت ہل رہے تھے۔ گلاب کی ٹہنی جس کے سرے پر ایک بڑا پھول لگا ہوا تھا جھوم جھوم کر فوارے سے ہم آغوش ہو رہی تھی ——— آب سیمین گلاب سرخ ——— آہ کیا منظر تھا میمونہ بڑھی، اور بے اختیاری کے عالم میں فوارے، اور گلاب کے درمیان منھ رکھ کر کھڑی ہو گئی۔ چاند اس کے چہرے پر روشنی ڈال رہا تھا۔ پھول اس کے گالوں سے لگ لگ کر گدگدی پیدا کر رہا تھا۔ پھوار اس کے چہرے پر موتی بکھیر رہی تھی۔ ساری تمام تر ہوئی جا رہی تھی۔ آنکھوں میں پانی بھر گیا اور ایک پھریری سی آئی۔ آنکھیں بند کر لیں۔ پیچھے ہٹی۔ اور ایک ہلکے، قہقہہ کے ساتھ اس نے پھر آنکھیں کھولیں، اور کیا دیکھا ——— دیکھا کہ ایک حسین نوجوان دو زانو کھڑا ہے، اس کے دونوں ہاتھ سینے پر رکھے ہوئے ہیں۔ اس کی آنکھیں آسمان کی طرف اٹھی ہوئی ہیں ایک مجسمہ عبادت ہے۔ ایک پیکر پرستش ہے۔ اس نے دیکھا۔ ٹھٹکی اور اس کی آنکھوں میں جنبش محسوس کر کے ایک دبی ہوئی چیخ کے ساتھ کوٹھی کی طرف بھاگ گئی۔ عبادت کرنے والا بھی چونک پڑا۔ ایکدم کھڑا ہو گیا۔ کھڑے ہونیکی جھلک، بھاگتے بھاگتے میمونہ نے بھی دیکھ لی۔

انیس اللہ آباد کی خوب سیر کرنے کے بعد اپنے تھکے ہوئے اعضا کی خستگی رفع کرنے کے لئے باغ میں چلا آیا تھا۔ اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ کوٹھی میں اس وقت پردہ ہے، وہ ٹہلتا ٹہلتا اس فوارے تک پہنچ گیا تھا اور اس منظر کی دلآویزی سے بہت متاثر تھا اور اپنے تئیں ایک نئے عالم میں پا رہا تھا۔ میمونہ کی آمد ایک پُر تخیل طبیعت کے لئے ایک الہٰتہ نصرآکی آندھی۔

صفر علی محمد علی کی دوکان بہت مشہور ہے

کیونکہ یونانیوں کی بت پرستی جو درحقیقت حسن و فطرت پرستی تھی اس کے لئے بہت رعنائیاں رکھتی تھی۔ وہ اس وقت یونان کا ایک پجاری بن گیا تھا۔ اور اللتہ الصحرا کے روبرو اپنا ہدیہ نیایش پیش کر رہا تھا۔ لیکن اس طرح میمونہ کے بھاگ جانے سے اُسے ہوش آیا اور اُسے یقین ہوا کہ موجودہ زمانہ میں دیویاں یوں زمین پر نہیں اُتر آتیں۔ یہ تو کوئی عورت تھی اور معاً اس کے دل میں خیال آیا کہ "کہیں یہ میمونہ تو نہیں ہے"

---۵---

"میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آتا میری جان تو بہت آفت میں پڑ گئی ہے۔ اُدھر لڑکی روز بروز نڈھال ہوئی چلی جاتی ہے لاکھ سمجھاتی ہوں۔ نہیں مانتی۔ نہ ہنستی ہے نہ بولتی ہے۔ باغ میں تفریح کو بھی نکلتی ہے تو خاموش، نہ کچھ طبیعت میں شگفتگی پیدا ہوتی ہے۔ نہ جی بہلتا ہے۔ ادھر ہر طرف سے پیام چلے آ رہے ہیں تقاضے ہوتے ہیں۔ صاف جواب دینے پر بھی نہیں مانتے اصرار کرتے ہیں۔ اور اُس کی نگاہ میں کوئی جچتا ہی نہیں۔ تم نے فوٹو بھی منگوا کر دکھائے۔ لیکن کوئی پسند ہی نہیں آتا۔ میں کہتی ہوں کیا کنواری رہنے کا ارادہ ہے تو ایک غمگین مسکراہٹ کے ساتھ گردن جھکا لیتی ہے۔ بعض وقت تو مجھے الجھن سی ہونے لگتی ہے، اور میں خیال کرتی ہوں کہ تم نے اُسے اس قدر اختیار دیکر سر پر چڑھا لیا ہے میں یہ تم سے کہتی ہی تھی کہ تم نے اُسے تعلیم ضرورت سے زیادہ دیدی ہے۔ اب مجھے یقین ہو چلا ہے کہ میرا خیال صحیح ہے۔ اور عبدالرحمن کے لڑکے کا کچھ پتہ نہیں، وہ عجب لاؤ بالی قسم کا آدمی ہے۔ باپ کے مرنے کے بعد تم نے لکھا بھی کہ یہاں چلا آئے۔ تم اس کے تمام اخراجات اٹھاؤ گے۔ مگر اُسنے عجیب باتیں کیں۔ مجھے تو اُس سے نفرت ہو چلی ہے، میری لڑکی کی گمراہی کا وہی باعث ہے۔ معلوم نہیں باغ میں اُس روز کہاں آن مرا تھا۔ وہاں مٹ بھیڑ ہونے کے بعد سے ہی میں میمونہ کے تیور بدلے ہوئے دیکھتی ہوں۔ میں تو گھبرا گئی ہوں۔ سنا تھا کہ وہ رڑکی میں تھا، اور رہاں —— تم سے کس نے کہا تھا کہ وہاں سے پیدل جوالاپور، ہردوار اور پہاڑ کی طرف نہر کی پٹری پٹری روانہ ہو گیا۔ ایسے دیوانے شخص سے میری لڑکی کا نباہ ہو چکا۔ وہ مضمون لکھا تھا سب کہتے تھے بڑا ہونہار ہے۔ لیکن مجھے تو اسی روز سے دماغ میں کچھ فتور معلوم ہوتا تھا۔ تعلیم کا معقول انتظام اخراجات کی تمام کفالت اور کیا چاہئے تھا۔ لیکن اسکی طرف سے وہی یاوہ گوئی کہ "میں آپ کی عنایت کا بہت ممنون ہوں، اور عمر بھر اس غمگساری کو نہیں بھولونگا۔ لیکن میری عزت نفس گوارا نہیں کرتی کہ صحت و تندرستی کی حالت میں اپنا بار کسی پر ڈالوں۔ اس کے علاوہ ممکن ہے آپ کے یہاں قیام کرنے سے میری وہ خوابیدہ تمنائیں بیدار ہو جائیں جن کو نہ معلوم میں کس جبر و تشدد سے ضبط کئے ہوئے ہوں۔ ہم ابتدا ہی سے متوسط الحال طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہمیں امارت و حکومت سے سروکار نہیں۔ مجھے اپنی کمزوریوں کا احساس ہے، اس لئے کچھ زیادہ عرض نہیں کر سکتا۔ اُمید ہے کہ جناب میری اس صاف تحریر سے کبیدہ خاطر نہ ہوں گے۔" مجھے تو کمبخت لفظ بہ لفظ یاد ہو گیا۔

صفدر علی محمد علی تاجر عطر کی ایک شاخ گلزار حوض حیدر آباد میں ہے

اتنی مرتبہ اُسے پڑھا کہ کچھ مطلب نکال سکوں۔ لیکن خبط اور بکواس کا کچھ مطلب ہو تو آدمی کی سمجھ میں آئے۔

---+ ۶ +---

ریاض الحسن کو ڈاکٹروں نے مشورہ دیا کہ اپنی لڑکی کو پہاڑ پر لے جائیں۔ کیونکہ اُس کی تندرستی کی حالت خراب ہوتی جارہی ہے اور ضرورت تبدیل آب وہوا کی ہے۔ اس غرض کے لئے چند مصلحتوں کی بنا پر منصوری پہاڑ کو منتخب کیا گیا۔ وہاں ایک عمدہ بنگلہ نہایت پر فضا مقام پر کرایہ لیا گیا۔ اور چند روز وہاں قیام کرنے کا ارادہ کر کے سکونت اختیار کر لی گئی۔ ایک روز ایک رکشا پر میمونہ اور اُس کی والدہ، اور دوسری پہ ریاض الحسن تفریح کے لئے کیملس بیک روڈ پر چلے جارہے تھے، کہ اُنھوں نے دیکھا چند پہاڑی ایک زخمی بیہوش شخص کو اُٹھائے ہوئے اوپر چڑھ رہے ہیں۔ ریاض الحسن کو جستجو ہوئی کہ معلوم کرے کون ہے۔ پہاڑیوں نے اُن سے کہا کہ ایک شخص ہے جو روزانہ ادھر اودھر کی پہاڑیوں پر چڑھا کرتا تھا۔ اور بعض ایسے خطرناک مقامات پر جہاں جانے سے ہمیں بھی ڈر معلوم ہوتا ہے، جایا کرتا تھا۔ اُن میں سے ایک وجیہہ نوعمر بولا میں روز انہیں دیکھا کرتا تھا اور مجھے ایک طرح کا اُنس اُن سے ہوگیا تھا۔ آج اسی طرح یہاں سامنے چڑھ رہے تھے کہ گر پڑے۔ وہ تو میں نے انہیں گرتے ہوئے دیکھ لیا۔ اب اُٹھا کر انہیں لائے ہیں۔ معلوم نہیں اِن کا کوئی وارث بھی ہے یا نہیں۔ پولیس میں لے جانے کا ارادہ ہے۔ ریاض الحسن کی نظر چہرہ پر جو پڑی تو کچھ مانوس سا معلوم ہوا، اور فوراً شبہ ہوا کہ کہیں یہ انیس تو نہیں ہے۔ شبہ نے یقین کا درجہ اختیار کیا، اور اُنھوں نے انیس کو اپنی رکشا میں ڈالنے کے لئے کہا۔ خود ایک دوسرے رکشا والے کو آواز دیکر اُس میں سوار ہوگئے۔ پہاڑیوں کو انعام دیکر رخصت کیا اور انیس کو اپنے ہمراہ لے آئے

---+ ۷ +---

انیس ایک معزز تاجر ہے۔ اس کی زندگی کا آزاد دورِ فراغت شروع ہوگیا ہے۔ اُس کی تجارت کی ابتدا نہایت کم قیمت تھی۔ لیکن اپنی محنت، جفاکشی، سلیقہ و حسن انتظام سے اُس نے بمبئی کے بڑے بڑے تاجروں میں رسوخ پیدا کر کے اچھا ساکھ اور اعتبار پیدا کر لیا ہے۔ اس کا ذاتی سرمایہ بھی کافی ترقی پاگیا ہے اسے یہ اطمینان ہے کہ میں اپنے عروج کے لئے کسی غیر کا ممنون احسان نہیں ہوں۔ میمونہ سے اس کی شادی منصوری سے واپسی پر ہی نہایت خاموشی سے ہوگئی تھی۔ لیکن وہ اس بات کا عزم و ارادہ کر گیا تھا کہ میں اپنے دست بازو کی قوت کا امتحان کرونگا۔ چنانچہ اب وہ اپنے آپ کو اس قابل پاتا ہے کہ میمونہ کو اپنا کہکر پکار سکے اور اپنی دیوی کی پذیرائی اُس کے رتبہ کے لائق کر سکے۔ رخصت ہوچکی ہے۔ باغ میں مصروف سیر ہیں فوارہ کے قریب پہنچکر بیٹھ جاتے ہیں پانی سے کھیل رہے ہیں۔ راز و نیاز کی گفتگو ہے۔ انیس نے کچھ محبت کے متعلق کہا ہے۔ میمونہ بناوٹی غصہ کیساتھ تیوری پر بل ڈال کر جواب دیتی ہے "بس رہنے دیجئے۔ خدا کے لئے محبت کے ایسے درس نہ دیا کیجئے۔ وہ تو یوں کہئے، سخت جان ہی بہت تھی کہ جانبر ہوگئی اور ملنا نصیب ہوگیا۔ ورنہ آپ نے اپنی طرف سے تو ہلاک کرنے میں کوکسر اُٹھا نہ رکھی تھی۔

"مشہود"

دینِ مسیحی یا آفتاب پرستی

(گزشتہ سے پیوستہ)

پیدائش نجات دہندہ اگر زمانۂ قدیم کی قصہ کہانیوں کا اُسی طرح اعتبار کیا جائے جیسا کہ والٹیر[1] سے پہلے عام طور پر کیا جاتا تھا تو ہم کو ماننا پڑے گا کہ اُس زمانہ میں سلطنتوں کے بنانے والے اور نئے نئے مذاہب کے پیغمبروں کی نسل اچھی نہ ہوگی، یا اُن کی پیدائش فوق العادت طریقہ پر ہوئی ہوگی۔ ان میں سے اکثر لقیط تھے اور بعض کی نسبت یہ کہا جاتا ہے کہ اُن کے باپ تھا ہی نہیں، یا آنکہ وہ کسی دیوتا کے بیٹے[2] تھے۔

ان بڑے آدمیوں کی نسل کا عجیب وغریب اور مرموز ہونے کا باعث کیا ہے؟ کوئی شبہ نہیں کہ اس کی اصلیت صرف یہ ہے کہ زمانۂ قدیم کے لوگوں کے نزدیک آفتاب بھی ایک عجیب وغریب اور مرموز چیز تھی۔ کسی کو معلوم نہ تھا کہ آفتاب کہاں سے آتا ہے اور کس وقت، کہاں سے طلوع کرتا ہے۔ جیسی اُس کی روشنی حیرت انگیز ہوتی ہے ویسی ہی اس کو سخت خوفناک چیزوں سے مقابلہ کرنا پڑ جاتا تھا۔ چنانچہ رات کے اندھیرے کو صفحۂ دنیا سے محو کرنے کے لئے اس کو سخت ترین لڑائی لڑنی پڑتی تھی، گو انجام یہ ہوتا تھا کہ آفتاب ہی کو فتح ہوتی تھی اور اس کی شعاعیں اندھیرے کو شکست دیتی تھیں اور بادلوں کے پار ہو جاتی تھیں۔

بچے کا خطروں میں گرفتار ہونا جس بچہ کا دنیا کو انتظار تھا اور جسمیں سورج دیوتا حلول کرنے والا تھا وہ پیدا ہوتا ہے تو اسکو خطروں سے سابقہ پڑتا ہے، کہیں سردی میں چھوڑ دیا جاتا ہے، کہیں گرمی میں پھینک دیا جاتا ہے کہیں دریا میں ڈال دیا جاتا ہے۔ کہیں پہاڑ پر رکھدیا جاتا ہے یا کوئی ظالم اس کا جان لیوا موجود رہتا ہے۔ مثلاً شہر بابل کے بانی کی نسبت کہا جاتا ہے کہ اس کی ماں نے اُس کو ایک ٹوکرے میں رکھکر فرات میں بہا دیا تھا۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے

---

[1] ایک مشہور فلسفی۔

[2] یہ یاد رکھنا چاہئے کہ زمانۂ قدیم کے لوگ اولاد کے متعلق عجیب عجیب خیالات رکھتے تھے۔ سیمسن اور سیموئل بانجھ عورتوں کے بطن سے تھے فیثاغورس کے معتقدین کہتے تھے کہ اُن کا اُستاد ایک باکرہ کے پیٹ سے تھا، جو اپولو (یعنی سورج دیوتا) کی محبوبہ تھی۔ یہی قصہ افلاطون کے متعلق اس کے شاگرد بیان کرتے تھے۔ اور رومولوس، بانی شہر روم دیوتا، مریخ کا بیٹا ایک داشتہ عورت سے تھا۔ وغیرہ وغیرہ۔

ہر قسم کا عطر اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنو سے منگائیے

کہ کالدیا کے میدان میں اگر سورج کو طلوع ہوتے دیکھا جائے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ فرات ہی میں سے نکل رہا ہے۔[۵۱]

یہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ رومولوس دریائے ٹائبر میں اور پرسیوس سمندر میں بہایا گیا تھا۔

کوہستانی ممالک میں یہ بچہ سب سے بلند چوٹی پر رکھدیا جاتا ہے، کیونکہ اُن کے نزدیک آفتاب رات کے وقت کسی بلند چوٹی پر آرام کرتا ہے؟ مثلاً اوڈی پس استھرون کی چوٹی پر رکھدیا گیا تھا۔[۵۲] اور اقوام کے بڑے آدمی کسی کھوہ میں پیدا ہوئے تھے۔ چنانچہ یونان میں زیوس اور ایران میں مِہر۔

چرواہوں کی قوم میں نجات دہندہ کسی اصطبل میں پیدا ہوتا ہے، جیساکہ مصریوں کے عقیدہ کے موافق ہورس۔ اگر یہ نہ ہوگا تو چرواہے بھی اس کی پیدائش کے گواہ ہوں گے مثلاً مِہر۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ رومولوس اور اوڈی پس چرواہوں کو ہی پڑے ملے تھے، انھیں نے اُن کو متبنیٰ کرکے پالا پرورش کیا تھا۔

کہا جاتا ہے کہ یسوعؑ بھی ایک اصطبل ہی میں پیدا ہوئے تھے اور چند چرواہے بھی اُن کی پیدائش کے وقت وہاں موجود تھے۔

قصہ مختصر، ساری دنیا کو عیسائیوں کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ اُنھوں نے اپنے پیغمبر کے عشق اور اُن کی شخصیت کی بڑھی ہوئی محبت میں اُن کو خدا کا بیٹا بنادیا۔ گو یہ کوئی نئی بات نہ تھی، کیونکہ اورفیوس فیثاغورس، افلاطون اور اُن کے علاوہ اور بہت سے بزرگ لوگوں کو اُن کے معتقدین نے خدا کا بیٹا بنا دیا تھا۔ عیسائیوں نے اسی پر بس نہیں کیا، بلکہ اُنھوں نے اپنے اُس پیغمبر کو جس کا حال تاریخ کو معلوم نہیں، یا اتنا معلوم ہے کہ نہ ہونے کی برابر ہے بے شمار قصہ کہانیوں کا ہیرو بنادیا، جیساکہ افلاطون فیثاغورس اور اورفیوس کو لوگوں نے بنا دیا تھا یسوع کے سوانح حیات جیساکہ وہ انجیل سے معلوم ہوتے ہیں اگر کوئی غور سے پڑھے تو معلوم ہوتا ہے کہ اور دور از کار افسانوں کی طرح وہ بھی ایک افسانہ ہے[۵۳]! گو وہ بہت مشہور اور مقدس ہے

---

۵۱ ماس پیرو کی "ایشیا کی تاریخ قدیم"، جلد اول صفحہ ۹۷ ملاحظہ فرمائیے۔

۵۲ پہاڑ ہی پر عیسیٰ کی صورت بدل گئی۔ پرس اور یعقوب اور اس کے بھائی یوحنا کو ہمراہ لیا اور انھیں ایک اونچے پہاڑ پر لے گیا اور ان کے سامنے اُن کی صورت بدل گئی اور اسکا چہرہ سورج کی مانند چمکا (متی ۱۷-۱ و ۲) پہاڑ ہی پر یسوع کا انتقال ہوا تھا۔ اسیطرح ہرکولیس کا۔ کوہ زیتون ہی کی چوٹی سے یسوعؑ آسمان پر گئے تھے۔

۵۳ شمسی دیوتاؤں سے متعلق جو افسانے ہیں اُن کے ماخذ اگر تلاش کرنے ہوں تو، بالخصوص میکس مولر کی "عجیب وغریب اصنام پرستی کے افسانے" صفحہ ۴۶۶ اور جیری میاس کی کتاب کا صفحہ ۹ ملاحظہ ہو۔

- -

ہر قسم کا عطر اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے منگائیے

نجات دہندہ کو تکالیف پہونچائی جاتی ہیں۔

یہ کہا جاتا ہے کہ جب یسوع پیدا ہوئے تو ہیروڈ نے لوگوں کو ورغلایا کہ جتنے بچے پیدا ہوں سب کو قتل کردیا جائے[51]۔ کیونکہ انہی میں سے ایک اُس کی سلطنت کا خاتمہ کرے گا۔ سایرس کو اُس کے دادا اسٹیاگس نے اور پرسیوس کو بھی اس کے دادا اکری سیوس نے اسی بنا پر ستایا تھا۔

ہیرڈو کا قصہ ہو یا اکری سیوس یا اسی قبیل کے کسی اور شخص کا یہ سب انہی پُرانی باتوں کو یاد دلاتے ہیں۔ یہ سب لوگ اپنے آپ یا اپنی سلطنت کو نوزائیدہ بچوں کی بلند نظری سے بچاتے ہیں۔ یہ قیامت تک جاری رہنے والی کشش و کوشش، جو ایک ظالم اور ایک بچے، یا زمانۂ ماضی و استقبال، یا زمانۂ تاریک اور عہد زریں (جو اس بچہ کے پیدا ہونیکے ساتھ ہی آتا ہے) کے درمیان میں جاری رہتی ہے۔ یہ پولٹیکل اور مذہبی رقابت جو چلی آتی ہے۔ پُرانے زمانہ کی تحریرات، انجیل اور دوسری کتابوں میں درج ہے۔ ذرا غور کیجئے کہ یہ کیا ہے؟ یہ وہی کشش و کوشش ہے، جو ہر صبح کو آفتاب کو شب گزشتہ سے، یا موسم بہار کو موسم سرما سے کرنی پڑتی ہے۔

نجات دہندہ کی تاریخ پیدائش

یسوع کی تاریخ پیدائش کا انجیل میں کہیں ذکر نہیں ہے نہ ابتدا میں عیسائی اُن کی تاریخ پیدائش کی خوشی مناتے تھے۔ کچھ زمانہ گزرا تو ۶ جنوری اُن کی تاریخ پیدائش قرار دی گئی، اور اُس دن کا نام ایپی فینی رکھا گیا۔ اس لفظ کے معنی ہیں "ظہور" (یعنی خدا کا انسانوں میں ظہور)

لیکن سوال یہ ہے کہ عیسائیوں نے ۶ جنوری کو یہ فخر کیوں عطا کیا؟ اسلئے کہ مصری اپنے سورج دیوتا کی پیدائش کی خوشی ۶ جنوری کو مناتے تھے۔ اسکے بعد جب وہ زمانہ آیا کہ مذہب عیسائی ایشیا سے یورپ میں منتقل ہوا اور روم میں اُس نے اپنے پیر جمالئے (جو دنیا بھر کا دار السلطنت تھا)، تو فوراً ہی اس کو دنیا کے اور مذاہب سے مقابلہ پڑا۔ مثلاً مِتھر کے ایرانی پوجاریوں کا مذہب ہم اوپر کہہ آئے ہیں کہ ایران میں مِتھر وہی حیثیت رکھتا ہے جو سورج دیوتا اور ممالک میں۔

سنہ عیسوی کی ابتدائی صدیوں میں جتنے مذاہب دنیا میں تھے سب کے سب روم میں جا دھمکے، اور ہر ایک مذہب کی یہاں خوب آؤ بھگت ہوئی وجہ یہ تھی کہ روم کو اپنے پُرانے دیوتاؤں، مثلاً جیوپٹر، منروا وغیرہ، پر کچھ زیادہ عقیدہ نہیں رہا تھا، اور وہ بغیر کسی دیوتا کے زندہ بھی نہیں رہ سکتے تھے۔ جتنے مذاہب روم میں پہونچے تھے اُن میں سے صرف دو پر شہر والوں کی نظر عنایت ہوئی؛ ایک عیسائیت اور دوسرے مِتھر والوں کا مذہب۔

یہ دونوں مذہب کچھ اس طرح مماثل[52] تھے کہ خداوندان کلیسا اس عجیب مماثلت کا اگر کچھ جواب دیسکتے ہیں تو صرف یہ کہ

---

۵۱ حالانکہ امر واقعہ یہ ہے کہ غریب ہیرڈو یسوع کی پیدائش سے بہت پہلے مرچکا تھا۔

۵۲ مماثلت نہ صرف مراسم مذہبی میں تھی، بلکہ اخلاقی معاملات و احکام میں بھی (دیکھئے لیس ایناش جلد دوم صفحہ ۲۳۰)

ہر قسم کا عطر اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے منگائیے

"اس مذہب کو نکال کر شیطان نے عیسائیوں سے بدلہ لینا چاہیے"

یہ ظاہر ہے کہ دو مذہبی اصول جو ہر صورت میں ایک دوسرے سے مماثل ہوں، ایک مقام میں زندہ نہیں رہ سکتے تھے ایک کو ختم ہو جانا چاہیے تھا مگر روم والوں نے ایک کو منظور اور دوسرے کو نامنظور کرنے میں بہت دیر لگائی۔ چوتھی صدی عیسوی کے نصف اول میں شاہ کانس ٹین ٹن جو قرعہ پھینکتا ہے تو مذہب عیسوی کا نام نکلتا ہے۔ مگر اسی صدی کے نصف آخر میں جولین نے مذہب مہر کو گلے لگایا۔ لیکن آخر فتح مذہب عیسوی ہی کو ہوئی

اگر اہالی روم بجائے عیسائیت کے مہر والوں کا مذہب قبول کر لیتے تو چنداں فرق نہ پڑتا، نہ اہل یورپ موجودہ حالت سے اچھے رہتے، نہ بُرے۔ کیونکہ ہم کو یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ مذہب سے "انسانیت" نہیں بنتی، بلکہ اس کے خلاف انسان ہی پرانے مذاہب کو غارت کرتا اور نیا مذہب بناتا ہے[1]۔ مذہب ایسا آئینہ ہے جو بدلتا رہتا ہے اور اس میں انسانی ترقیات کی کشش و کوشش کا ہر وقت عکس پڑتا رہتا ہے۔ اگر مہر کا مذہب مقبول ہوتا تب بھی کرسمس کی عید جنتریوں میں ۲۵ دسمبر کو لکھی جاتی، جیسا کہ آج کل ہو رہا ہے اس کے ساتھ ہی ایسٹر بھی ہوتا اور دیگر تہوار بھی

ایرانی مہر دیوتا کی تاریخ پیدائش ۲۵ دسمبر ہی کو بتلاتے ہیں، یہ وہ تاریخ ہے کہ جب دن بڑھنے لگتا اور آفتاب کی شعاعیں سیدھی اور تیز ہونی شروع ہو جاتی ہیں۔ اب یہ اتفاق کی بات تھی کہ عیسائی جو اپنے مذہب پر ابھی پوری طرح مستحکم نہیں ہوئے تھے، ان دو تہواروں کے قریب قریب پڑنے سے گھبراتے تھے اور ایک کو دوسرے سے گڈمڈ کر دیتے تھے (یاد رہے کہ مہر کی پیدائش کی ۲۵ دسمبر[2] کو اور یسوع کی پیدائش کی ۶ جنوری کو عید منائی جاتی تھی)، ناچار کلیسا نے یہی مناسب سمجھا کہ یسوع کی پیدائش ۲۵ دسمبر کو[3] قرار دیدے

[1] ای رینان بہت صحیح کہتا ہے کہ یہ بالکل فضول بات ہے کہ کوئی شخص عیسائیت یا الٰہیات سے نفرت ظاہر کرے۔ عیسائیت کو کس نے بنایا اور الٰہیات کو کس نے؟ انسان صرف اسی بیڑی کو پہنتا ہے جو خود اُسی کے ہاتھ کی بنائی ہوئی ہوتی ہے۔ انسان ہی نے ان سب کو بنایا ہے اور ہم تسلیم کرتے ہیں کہ خوب بنایا ہے" (تاریخ مذاہب صفحہ ۴۱۶)

[2] تیسری صدی عیسوی کے آخر یا چوتھی صدی کے شروع میں، ۳۰۵ء کے قریب ایشیائی کلیسا نے ۲۵ دسمبر کو مسیح کی پیدائش منانے کا فیصلہ کیا ہے

[3] جس وقت یسوع کی پیدائش کلیسا مناتا ہے اسی ساعت میں ۲۵ دسمبر کو سینٹ انستاسیا کی پیدائش بھی منائی جاتی ہے، جو افسانہ کہ مشہور ہے اس کے موافق یہ سینٹ پیدائش کے وقت موجود تھا، بلکہ مقدس کنواری کی دائی کا کام اُسی نے کیا تھا۔ اُس کی اصلیت بہت صاف اور سیدھی ہے۔ لفظ "انستاسیا" کے لغوی معنی ہیں "حشر، اُٹھنا"، یہ سینٹ یسوع کے جی اُٹھنے کا گویا مجسمہ تھا؛ یعنی آفتاب کے نکلنے کا نشان (ملاحظہ ہو سینٹی ورس صفحہ ۱۰۸)

ہر قسم کا عطر اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے منگائیے

اس انتظام کی عنایت ہے کہ ایماندار عیسائی یسوع کی پیدایش کو مہر کی پیدایش سے خلط ملط نہیں کرنے پاتے ! غرض اس واقعہ کے بعد یہ ہر دو مذاہب ایک دوسرے سے سرکاری طور پر مدغم کر دئے گئے۔ عیسائیت نے کیتھولک صورت اختیار کر لی یسوع سادہ اور دلکش تعلیمات کے بدلے میں مہر کے مذہب کی بہترین صورتیں آگر ایک خوبصورت چیز بن گئی یعنی ایسی چیز ہو گئی جس کو سب قبول کر سکیں اور دنیا کی اقوام کے دلوں پر اثر بھی پڑ سکے۔ (اس زمانہ میں سوا رومیوں کے اور بڑی قوم کوئی تھی بھی نہیں) دنیا کی ان اقوام نے آخر مذہب عیسوی کو اپنی بہترین چیزیں دیدی تھیں

مبشر

مفصلۂ بالا خیالات کو پیش نظر رکھکر اور لوگوں کے دلوں سے پرانے دیوتاؤں کا خیال نکالنے کی غرض سے یحییٰ کی پیدائش کی تاریخ ۲۴ رجون قرار دی گئی۔ یہ وہ تاریخ ہے کہ دن چھوٹے ہونے شروع ہو جاتے ہیں قدیم کُفّار (غیر عیسائی، لوگوں) کی شروع موسم گرما کی عید کی جگہ عیسائیوں نے "یوحنا نبی کے دن" کی عید منانی شروع کر دی۔ قدیم کفار میں ایک رسم تھی کہ وہ ۲۴ رجون کو پہاڑ کی اونچی چوٹیوں پر بڑے بڑے الاؤ سلگایا کرتے تھے۔ اس کے یہ معنی تھے کہ وہ عروج آفتاب کی خوشی کرتے اگر الاؤ نہ سلگاتے تو یہ کرتے تھے کہ گول پہیے کی طرح ایک چیز بناتے تھے، جو آفتاب کی قائم مقام ہوتی تھی، اور اُس کو جلا کر پہاڑ پر سے لڑھکا دیتے تھے وہ نیچے پہونچکر بجھ جاتی تھی۔ کلیسا کا فایدہ اسی میں تھا، اور وہ اس کو اچھی طرح سمجھتا تھا کہ اسے ان تماشاؤں کا مددگار ہونا چاہیے کیونکہ وہ مبشر کی یوم ولادت کے دن ہی پڑتے تھے یا آنکہ مبشر کی یوم ولادت اسی روز قرار دیدی گئی تھی۔ کیونکہ جہاں یوحنا نبی، یسوع کا ذکر کرتے ہیں وہاں کہتے ہیں کہ ضرور ہے کہ وہ بڑھے اور میں گھٹوں (یوحنا ۳-۳۰) یہی وجہ ہے کہ کفار کا شروع موسم گرما کا الاؤ، یوحنا نبی کی یوم ولادت کا الاؤ بن گیا۔

اس کے علاوہ انجیل میں یسوع کو "روشنی" کہا گیا ہے ؛ روشنی بھی وہ کہ اگر وہ نہوتی تو دنیا موت کی تاریکی میں غائب ہو جاتی۔ آبا ءِ مقدس کہتے اور بار بار کہتے چلے آتے ہیں کہ یحییٰ مبشر ہیں یسوع کے اور یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہیں کئے جا سکتے، جس طرح کہ دن رات سے جدا نہیں ہو سکتا۔ کہا جاتا ہے کہ یوحنا نبی "جلتا اور چمکتا چراغ" (یوحنا ۵-۳۵) کی صورت میں ایسی حالت میں دنیا پر ظاہر ہوئے تھے کہ اس وقت رات کی تاریکی ہی تاریکی تھی۔ بنو اسرائیل تھوڑی دیر یہ "جلتا اور چمکتا چراغ" دیکھ کر خوش ہو گئے تھے۔ لیکن کلیسا نے اُس روشنی کو جو مبشر نے مستعار لی تھی، آفتاب (یعنی یسوع) کی روشنی سے الگ ہی رہنے دیا۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا کسی مبشر کا آنا اشد ضروری تھا ؟ ایک مرتبہ مسٹر بوسے نے پوچھا تھا کہ کیا روشنی کو کسی ثبوت کی ضرورت ہے ؟ کیا اس کی ضرورت ہے کہ کوئی شخص ہم کو آفتاب دکھلا کر یہ کہے کہ یہ آفتاب ہے ؟ کیا ہر شخص کی آنکھ آفتاب کی روشنی کو بغیر بتلائے نہیں دیکھ سکتی ،، ؟ مگر نہیں اُس کی سخت ضرورت ہے وجہ یہ ہے کہ ہماری بصارت بہت کم زور ہے۔

ہر قسم کا عطر اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے منگائیے

اگر یکایک آفتاب نکل آئے تو ہماری آنکھیں چوندھیا جائیں؛ البتہ اگر رفتہ رفتہ ہم کو عادت ڈالی جائے تو ہماری آنکھوں میں جو کمی ہے اس کی تلافی ہو جائیگی"۔ اسی وجہ سے یسوع کی پیدائش سے پہلے یہ ضروری تھا کہ ایک مبشر آئے تاکہ بنو اسرائیل یسوع کی آمد کے منتظر رہیں اور اُن کے قبول کی استعداد اُن میں پیدا ہو جائے۔

لیکن یہ بھی کافی نہیں تھا۔ ایک فرشتہ، بلکہ فرشتۂ مقرب، یعنی روشنی کا دیوتا نجات دہندہ کی پیدائش[۵۱] سے نو مہینہ پیشتر آسمان سے اُترتا ہے اور مریمؑ کو اطلاع دیتا ہے کہ وہ اُس نجات دہندہ کی والدہ بننے[۵۲] والی ہیں۔

عقلمندوں کے ستارے[۵۳] نے دنیا کو پیدائش یسوع کی بشارت دی تھی؛ اُسی طرح جیسے صبح کا ستارہ، صبح ہونے کی خبر دیتا ہے[۵۴]

سورج دیوتا بحیثیت شفیع

ہم دیکھ چکے ہیں کہ زمانۂ قدیم کے بڑے آدمیوں کو اکثر آفتاب کہا گیا ہے، بلکہ آفتاب اور وہ شخص ایک ہی چیز سمجھے گئے ہیں۔ اس کے برعکس، اور دیوتاؤں کی طرح، آفتاب بھی ایک آدمی کی صورت میں بتلایا جاتا ہے[۵۵] غرض، آفتاب انسانی شکل میں آدمیوں اور خدا کے درمیان میں شفیع یا سفارشی سمجھا جاتا ہے۔ خدا ساتویں آسمان پر رہتا ہے اور اس کا انسان سے براہ راست کوئی تعلق نہیں ہے۔

یہ سوال کہ روشنی کہاں سے آتی ہے چنداں اہمیت نہیں رکھتا۔ اہم بات صرف یہ تھی کہ روشنی گرمی دینے اور دنیا میں اجالا کرنے کے لئے آتی ہے نیز یہ کہ آفتاب ہر صبح کو اس واسطے نکلتا ہے کہ وہ دنیا کو رات کی تاریکی سے بچائے اور روزانہ طوفانوں سے محفوظ رکھے۔

---

۵۱ مریم کے دن، کی عید ۲۵ مارچ کو منائی جاتی ہے، یعنی کرسمس (یوم ولادت مسیح) سے پورے نو مہینہ پہلے یحییٰ کی رحم مادر میں آنے کی تاریخ کی عید ۲۴ ستمبر کو منائی جاتی ہے یعنی پورے نو مہینہ پہلے۔

۵۲ ایک ہزار برس پیشتر ایک فرشتہ آسمان سے سیمسن کی پیدائش کا اعلان کرنے کے لئے اُترا تھا۔ سیمسن ایک افسانہ کا ہیرو ہے؛ اس نام کے معنی ہیں "چھوٹا آفتاب"۔ سیموئل کے پیدائش کی خوش خبری ایلی نے دی تھی، جو مقدس مذہبی تھا یقیناً غورس کا مبشر بائی تھی آتھا۔ (دیکھئے ربائین یہود کی حکایات)

۵۳ وہ ستارہ پرست ہی تھے، جنھوں نے سب سے پہلے یسوع کے سامنے اپنا سر جھکایا اس سے تین سو برس پیشتر سکندر کے پیدا ہونے کی رات کو، عقلمندوں نے ایک ستارہ کو دیکھکر یہ پیشنگوئی کی تھی کہ ایشیا کی تباہی قریب ہے

۵۴ ساتویں صدی میں ایک مقدس نجومی نے یہ رائے دی تھی کہ ستارۂ مشتری کا نام یحییٰ رکھدیا جائے۔ کیونکہ یحییٰ وہی ستارہ صبح ہے جو صبح کی خبر دیتا ہے"۔ ۵۵ چنانچہ مصری آفتاب کے طلوع ہونے کو نئے پیدا ہونے والے بچہ سے مماثلت دیتے تھے؛ آفتاب نصف النہار کو کامیاب بہادر سے، ڈوبتے ہوئے آفتاب کو بوڑھے آدمی سے جو عمر کے بوجھ سے کبڑا ہو گیا ہو اور بغیر عصا کے نہ چل سکتا ہو، شروع سرما کے آفتاب کو اس بچہ کی تصویر

ہر قسم کا عطر اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے منگائیے

روشنی کا دیوتا، سورج دیوتا یا اسی قسم کے کوئی اور الفاظ ہوں، مقصود صرف یہ ہے کہ خدا کا بیٹا[۱]، جلد یا دیر میں اپنے باپ کا قائم مقام[۲] ہوکر آئیگا۔ خرافات الاصنام میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ آفتاب وہ دیوتا ہے جس کے ہاتھ میں زمانہ مستقبل ہے۔ وہی ایک ذات ہے جو انسانوں کے لئے تکلیف اٹھاتا اور مرجاتا ہے[۳]

چنانچہ اڈونس کے متعلق لکھا ہے کہ ایک روز عالم شباب میں وہ لبنان کے پہاڑ کے پاس ایک دریا کے کنارے سیر کر رہا تھا کہ استارٹے اس کو ملا اور اڈونس استارٹے پر عاشق ہوگیا۔ چند روز کے بعد اڈونس کو ایک جنگلی سُور نے مار ڈالا۔ یہ جنگلی سُور اصل میں ایک دیوتا تھا کہ جو اس وقت اس صورت میں تھا۔ یا بہ تبدیل الفاظ یوں کہنا چاہئے کہ موسم گرما کے آفتاب کو موسم سرما کے آفتاب نے قتل کر ڈالا۔ استارٹے اپنے عاشق کے قتل ہونے پر بہت رویا اور پھر اس کو دفن کردیا۔ پھر بھی اس کو صبر نہ آیا تو اُس نے یہ ارادہ کیا کہ عالم بالا پر جاکر اپنے عاشق کو موت کے ہاتھوں سے چھڑالے۔ اسمیں وہ کامیاب ہوا۔ اڈونس کو زمین پر اُتار لایا۔ پھر اس کو ایک صاف پانی کے فوارے پر لے گیا۔ اور وہاں اس کو بہت سی خوشبوئیں لگاکر خوب نہلایا

اڈونس کی موت اور اس کا عالم بالا پر پہونچ جانا اصل میں یہ علامت ہے کہ موسم سرما شروع ہوگیا؛ اُس کا پھر جی اٹھنا گویا موسم بہار کی پیدایش ہے۔ استارٹے گویا مجسمہ ہے نیچر کا، جو زمین کی ماں ہے، اور یہ کبھی خوش نظر آتی ہے اور کبھی رنجیدہ یعنی اگر آفتاب زور سے چمکتا ہے تو وہ خوش نظر آتی ہے اور اگر وہ چھپ جاتا ہے تو رنجیدہ ہوجاتی ہے۔

اصول عشاء ربانی

لیکن اڈونس صرف آفتاب ہی کا مجسمہ نہیں ہے، بلکہ وہ فصلوں اور سبزیوں کا بھی دیوتا ہے۔ وہ گیہوں کا دانہ بھی ہے، مگر وہ دانہ جو مرنے والا معلوم ہوتا ہے، تمام موسم سرما میں زمین میں دفن رہتا ہے، اور موسم بہار میں زندگی پالیتا ہے اور آخر کاشتکار کی درانتی پھر اُسے کاٹ لیتی ہے۔ وہ انگور کا بیج بھی ہے جو

---

[۱] خرافات الاصنام میں آفتاب اصل میں آسمان کا بیٹا ہے۔ یسوع نے اپنے آپ کو "باپ کا بیٹا" کہا ہے (یا لوگوں نے اُن کے ذمہ لگا دیا ہے کہ انھوں نے یہ کہا)، اس کا ترجمہ عبرانی زبان میں "بر ابا" کیا گیا ہے۔ ممکن ہے کہ برابا کے افسانہ کی یہی اصلیت ہو۔ جس نام سے کہ یسوع مشہور ہیں ممکن ہے کہ وہ کسی دوسرے کا نام ہو۔

[۲] یہاں تک کہ بابل والوں کا دیوتا، جو "باپ" کہلاتا تھا، کوئی بڑا کام نہیں کرتا، نہ اس کے متعلق کوئی بڑا کام تھا یورپ کے قرون وسطے میں تمام یورپ میں خدا، یا باپ کے لئے قربانگاہیں معدودے چند تھیں۔ کینا تو ایک بھی اس کے نام کا نہ تھا۔ عیسائیوں کی جنتری میں تو ایک دن بھی خدا کے نام پر نہیں ہے۔ [۳] آفتاب کا مرنا اس لئے ضروری ہے کہ تھکی ماندی زمین پھر قوت پالے اور اچھی فصل اور پھل دے۔

[۴] پامپیائی میں ایک قدیم زمانہ کا بُت مشتری کا بنا ہوا ہے۔ اڈونس دیوتا کا بے جان جسم ایک کپڑے میں لپٹا ہوا ہے اور اس کا سر مشتری کی گود میں ہے۔ اس میں کوئی کلام نہیں ہوسکتا کہ کسی عیسائی بُت ساز نے اسی خیال کو لیکر مریمؑ کا بُت بنایا ہے کہ وہ اپنے بیٹے پر رو رہی ہیں

موسم گرما میں پکتا ہے اور خزاں میں شراب دیتا ہے یعنی اپنا خون بنی نوع انساں کو پلا کر اُن کو خوش کرتا ہے۔

آسمان پر کوئی نہیں پہونچ سکتا۔ سورج اور بھی دور تھا۔ گیہوں کا دانہ اور انگور کا بیج۔ روٹی اور شراب، آفتاب کے عطیات ہیں۔ یہی وہ چیزیں ہیں جن کے ذریعہ سے آدمی نیچر سے مل سکتا ہے ہر ہفتہ یا ہر سال خاص مراسم کے ساتھ روٹی کھانے یا شراب پینے سے مصیبت زدہ ارواح کو سکون و اطمینان حاصل ہوتا تھا۔

قدیم زمانہ کے یونانیوں میں ایک رسم تھی کہ جس روز اناج کھیتوں سے اٹھکر آتا تھا تو شہر کے لوگ اور کاشتکار، آقا اور غلام نئی شراب چکھتے اور سورج دیوتا کی حمد کے گیت گاتے تھے؛ کیونکہ یہی دیوتا انسان اور نیچر کو آزاد کرانیوالا ہے[1] فصل کے پکنے کے بعد مقتدایان مذہب لوگوں کو خاص مراسم کیساتھ اناج کی ایک ایک بھلی دیتے تھے اور اُس کو سب سے بڑی، نہایت عجیب اور سب سے مکمل راز کی چیز کہتے تھے۔

برکت دینا

غرض کفار قدیم یہ سمجھتے تھے کہ بذریعہ عناصر ہی سورج دیوتا اپنے معتقدین سے ملتا ہے اسی طرح عناصر ہی کے ذریعہ سے یسوع عیسائیوں کو برکت دیتے ہیں۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ "میں انگور ہوں" یہی وجہ ہے کہ قرن وسطیٰ کے مصور اور بت ساز ان کی تصویر بابت یوں بناتے ہیں کہ انگوروں کا رس نکالا جا رہا ہے اور وہ اس پر جھکے ہوئے ہیں۔ ایک اور جگہ ان کی زبان سے کہلایا گیا ہے کہ "میں وہ روٹی ہوں جو آسمان سے اُتری۔ اگر کوئی آدمی اس روٹی کو کھائے تو وہ ہمیشہ زندہ رہیگا"

ایک امر یہ بھی قابل غور ہے کہ یسوع بیت اللحم میں کیوں پیدا ہوئے؟ یہی گاؤں اس کے لئے کیوں انتخاب کیا گیا کہ وہاں اتنا بڑا واقعہ ہو؟ یہ تو معلوم ہی ہو چکا ہے کہ اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ وہاں داؤد پیدا ہوئے تھے۔ مگر ایک اور وجہ یہ بھی ہے (جو عیسائی عالم علوم الہیات کی نگاہ میں کچھ کم وقیع نہیں ہے) کہ بیت اللحم کے معنی "روٹی کا گھر" ہے

آبار کلیسا کے خیال کے موافق یسوع نے چند روٹی کے ٹکڑوں میں اتنی برکت پیدا کر دی تھی کہ انکو اُن پانچ ہزار آدمیوں نے سیر ہو کر کھالیا، جو ان کا وعظ سننے کے لئے جمع ہو گئے تھے۔ یہ معجزہ گویا اُن کی اور طاقتوں کی پیش بینی تھی گویا جو افسانہ کہ گھڑا گیا ہے۔ اُس کے موافق جس شام کو وہ مرے اُسی شام کو اُنھوں نے اور شراب اور روٹی کو برکت دی تھی

جس روز اُنھوں نے روٹی کو المضاعف کیا ہے اُسی روز اُنھوں نے دو مچھلیوں کو بھی المضاعف کیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ شروع زمانہ کے عیسائی یسوع کو مچھلی کی صورت میں پیش کرتے ہیں۔ یوں یسوعؑ نے نہ صرف اپنے آپ کو مچھلی بنا دیا

---

[1] فصل کو بچانے اور اٹھانے والے دیوتا ڈیلچس، کو الیو تھیروس بھی کہتے تھے یعنی آزادی دہندہ۔ وہ لوگ کہتے ہیں کہ نیچر ہر ایک کیساتھ یکساں سلوک کرتا ہے؛ آفتاب کے نزدیک غریب اور امیر برابر ہیں عورت مرد یکساں ہیں اور آقا و غلام میں کوئی تفریق نہیں۔

آزمائش کیلئے ایک مرتبہ صغر علی محمد علی تاجر عطر کا عطر منگائیے

بلکہ روٹی اور شراب بھی بنا دیا۔ یقیناً اُن کو اپنے وعدوں کا خیال تھا اور وہ اُن کو ایفا کرنا چاہتے تھے لیکن آدمی نہ صرف روٹی ہی کھا کر زندہ رہتا ہے، نہ صرف مچھلی ہی کھا کر۔ آخر اور جانوروں کا گوشت بھی تو وہ کھاتا ہے اور سورج نے تمام جانوروں اور ترکاریوں کو بھی تو بنایا ہے۔ سورج دیوتا جس جانور کے جسم میں چاہے حلول کر سکتا ہے۔ چنانچہ مصریوں کا اعتقاد تھا کہ اُن کا سورج دیوتا، بیل کے جسم میں حلول کئے ہوئے ہے اور بابل اور یونان میں بیل کی جگہ سانڈ کے جسم میں۔ مگر عیسائیوں نے بھیڑ کے بچے کو انتخاب کیا۔ آگے چل کر معلوم ہوگا کہ یہ انتخاب کیوں کیا گیا۔ (باقی آئندہ)

محمد خلیل الرحمن

بادۂ ناب۔ مجموعۂ رباعیات فارسی، میر ولی اللہ صاحب بی اے - - - - - - - - عمر

مطالبۂ فطرت۔ (مجلد) اتحادِ فلسفۂ اسلام پر ایک بےمثل تصنیف، مصنفہ محمد فاروق ایم۔ ایس۔ سی - - - - - عمر

نمکدانِ فصاحت۔ عربی فارسی اردو کے بہترین علمی ادبی تاریخی لطائف کا مجموعہ - - - - - عہر

تذکرۂ حضرت بلھے شاہ۔ پنجاب کے نہایت مشہور بزرگ کے تاریخی حالات مستند ذرائع سے - - - - - - - ۸ر

جہاں آرا بیگم۔ شاہزادی جہاں آرا بنت شاہجہاں کی نہایت مستند و دلچسپ تاریخ - - - - - - - ۸ر

بندگی۔ امام ابن تیمیہ کی مشہور کتاب "العبودیت" کا بےمثل ترجمہ حقایق دینی و تصوف کی بےنظیر کتاب - - - - - ۱۰ر

لسان الغیب۔ حافظ شیرازیؒ کی مکمل سوانحعمری اور اُن کے دیوان کی بہترین شرح جلد اول ۓ، جلد دوم - - - - - - ۶

فتنۂ خلقِ قرآن۔ امام عبد العزیز بن یحییٰ کی کتاب "الحیدہ" کا ترجمہ مسئلۂ قرآن کے متعلق ایک بےنظیر محاکمہ - - - - ۱۰ر

کاس الکرام۔ عمر خیام کے مفصل حالات زندگی، اور رباعیات کی مکمل شرح، اس موضوع پر یہ پہلی کتاب ہے - - - - - ۓ

یادگارِ غالب۔ مرتبہ شمس العلما خواجہ الطاف حسین حالی پانی پتی - - - - - - - - - ۓ

کلیاتِ نظمِ حالی۔ شمس العلما حالی کے تمام منظوم کلام کا مکمل مجموعہ جلد اوّل - - - - - - - - - ۱۲ر

کلامِ شاد۔ دیوان حضرت شاد عظیم آبادی حصۂ اوّل - - - - - - - - - - - ۸ر

نقشِ ارژنگ۔ جلال الدین صاحب اکبر کی نظموں اور غزلوں کا مجموعہ - - - - - - - - - ۸ر

ابو مسلم خراسانی۔ جرجی زیدان مصری کے مشہور ناول کا اردو ترجمہ - - - - - - - - - ۸ر

الفاروق۔ مکمل ہر دو حصہ مع نقشہ دنیائے اسلام، علامہ شبلی کی سیرت حضرت عمرؓ پر مشہور کتاب ہے - - - - - ۸ر

نگار بک ایجنسی نظیر آباد لکھنؤ

شرلاک ہومز کا مرضِ موت

(فسانہ)

مسز ہڈسن (اُس مکان کی مالکہ جس کی بالائی منزل میں شرلاک ہومز سکونت رکھتا تھا) اس میں شک نہیں کہ اپنی غیر مطمئن زندگی کے لحاظ سے سخت بدقسمت عورت تھی کیونکہ ہومز کی بے اصول معاشرت، اس کے پاس ہر وقت بُرے بھلے لوگوں کی آمد و رفت، اور سب سے زیادہ خود ہومز کی مجنونانہ حرکتوں نے اسے پریشان کر رکھا تھا،

ہومز آدھی رات کو اُٹھتا اور موسیقی شروع کر دیتا، رات کو دو بجے بیدار ہوتا اور پستول کی مشق کرنے لگتا، کبھی ساری رات چھت پر زور زور سے ٹہلنے میں بسر کر دیتا، اور کبھی ساری شب وہ علمی تجربوں اور دوسرے ہنگامہ خیز مشاغل میں گزار دیتا۔ ظاہر ہے کہ مسز ہڈسن ان صورتوں میں نہ اطمینان سے سو سکتی تھی نہ سکون کیساتھ کوئی اور کام کر سکتی تھی، لیکن کچھ تو اس وجہ سے کہ ہومز سے اس کو مالی فائدہ بہت تھا اور کچھ اُس تعلق دیرینہ کیوجہ سے جو اتنے عرصہ کے قیام میں اس کے ساتھ پیدا ہو گیا تھا، وہ نہ صرف ان تمام تکلیفوں کو برداشت کرتی تھی بلکہ ہومز کی وہ بہت عزت کرتی تھی، اور اس سے متنفر ہونے کی بجائے اس کی زندگی پر اپنا دل دُکھاتی تھی۔

میری شادی کو دوسرا سال تھا اور میں اپنے کمرہ میں بیٹھا ہوا کچھ سوچ رہا تھا کہ مسز ہڈسن دفعتہً گھبرائی ہوئی آئی اور بولی کہ "ڈاکٹر واٹس"، تمہارا دوست ہومز قریب مرگ ہے۔ تین دن سے اس کی حالت بدتر ہوتی جاتی ہے اور شاید ہی آج کا دن خیریت سے گزرے۔ میں نے بہت کہا لیکن وہ کسی طرح ڈاکٹر بلانے پر راضی نہیں ہوا، آج جب میں نے اس کی حالت زیادہ خراب دیکھی تو بولی کہ تم اجازت دو یا نہ دو میں تو جاتی ہوں اور کسی کو بُلا کے لاتی ہوں، یہ سنکر وہ بولا کہ اچھا واٹس کو بلا لاؤ۔ اس لئے میں تمھارے پاس آئی ہوں اگر تم نے ایک گھنٹہ کی بھی دیر کی تو میں نہیں کہہ سکتی وہ تمھیں زندہ بھی ملیگا یا نہیں"۔

یہ سنکر میں گھبرا گیا، کیونکہ اس سے قبل ہومز کی علالت کا کوئی حال معلوم نہ ہوا تھا۔ میں نے فوراً کپڑے پہنے اور مسز ہڈسن کے ساتھ ہو لیا۔ راستہ میں، میں نے اس سے زیادہ تفصیلی حالات معلوم کئے تو پتہ چلا کہ وہ دریا کے قریب کسی گندی گلی میں چند دن سے ایک معاملہ کا سراغ لگا رہا تھا کہ وہیں سے یہ بیماری لایا اور گزشتہ بدھ کی سہ پہر سے صاحب فراش ہے اس دوران میں اُس نے نہ غذا کی نہ پانی پیا اور حالت بدتر ہوتی جا رہی ہے۔

جسوقت میں ہومز کے کمرے میں پہونچا تو اس کی حالت دیکھکر مجھے سخت صدمہ ہوا، چہرہ اُترا ہوا تھا، ہونٹ خشک تھے

عطر صغرا علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے ملتا ہے

اور آنکھ اور رخسار سے بخار کی سرخی اور چمک نمایاں تھی، وہ مجھکو دیکھ کر نہایت ضعیف آواز سے بولا کہ "کیوں واٹس، آخر کار وقت اخیر آہی گیا"۔

میں اس کے قریب ہونچکر اس کی نبض دیکھنا چاہتا تھا کہ ہومز نے حد درجہ اضطراب کے ساتھ کہا کہ "خبردار میرے پاس نہ آنا" میں نے پوچھا "کیوں" اس نے جواب دیا کہ "میری خواہش یہی ہے اور کیا یہ وجہ کافی نہیں ہے"، میں کچھ دیر تک اس کی حالت کو دیکھ کر افسوس کرتا رہا اور پھر بولا کہ "ہومز، میں تمھارے علاج کے لئے آیا ہوں اور بیمار کی خواہش کوئی چیز نہیں ہوا کرتی"۔

ہومز۔ "لیکن میں تم کو تمھارے ہی فائدہ کی وجہ سے اپنے پاس نہیں آنے دیتا، کیونکہ جس مرض میں مبتلا ہوں وہ اُن قلیوں کی بیماری ہے جو جزیرۂ سماٹرا سے پہلی ہے اور یہ اس قدر سخت متعدی ہے کہ صرف چھونے سے دوسروں کو لگ جاتی ہے"۔

یہ سنکر میں نے کہا کہ "اگر یہ صحیح بھی ہو کہ چھونے سے بیماری لگ جاتی ہے تو بھی ہومز تم سمجھ سکتے ہو کہ تمھارے لئے میں اس کی کیا پروا کر سکتا ہوں"۔ یہ کہکر میں پھر آگے بڑھا۔ لیکن اس مرتبہ ہومز نے بہت زیادہ برہمی کے ساتھ کہا کہ "اگر تم رہ سکتے ہو تو رہو، ورنہ چلے جاؤ"۔

میں ہومز کی اس قدر عزت کرتا تھا کہ کبھی اس کے حکم سے سرتابی نہیں کی، لیکن اب جبکہ وہ بیمار تھا اور اپنی حالت کا صحیح اندازہ نہ کر سکتا تھا، میں اپنے پیشہ کے فرائض کو شدت سے محسوس کرنے لگا اور ہومز کی اس برہمی کی پرواہ نہ کرکے بولا کہ "ہومز تم اسوقت حواس میں نہیں ہو، بیمار ہو کر آدمی بچہ ہو جاتا ہے۔ تم کچھ بھی کہو میں ضرور معائنہ کرکے تمھارا علاج کرونگا"۔

یہ سنکر اس نے خونخوار نگاہوں سے مجھے دیکھا اور بولا، "اگر کسی ڈاکٹر کا علاج کرنا ضرور ہی ہے تو پھر کوئی شخص ایسا ہونا چاہیئے جسپر مجھے اعتماد ہو"۔ میں نے جواب دیا "کیا مجھ پر اعتماد نہیں ہے"۔

ہومز۔ "تمھاری دوستی پر ضرور اعتماد ہے، لیکن واٹس، معاف کرنا، ایک ڈاکٹر کی حیثیت سے میں تم پر بھروسہ نہیں کر سکتا"۔

یہ سنکر مجھے سخت تکلیف پہونچی لیکن میں نے اپنے آپ کو زیادہ متاثر نہیں ہونے دیا اور بولا کہ "اگر مجھ پر اعتماد نہیں ہے تو میں کوئی دخل نہ دونگا لیکن یہ تو اجازت دو کہ میں کسی اور ڈاکٹر کو لے آؤں۔ یہ تو نہیں ہو سکتا کہ میں تمھیں مرتا ہوا دیکھوں اور خاموش بیٹھا رہوں"۔

ہومز۔ "تم کو میری گفتگو سے تکلیف پہونچی ہوگی لیکن میں تم پر تمھاری عدم واقفیت ظاہر کرنے کے لئے یہ سوال کرونگا کہ تم تپانُل بخار اور فارموسا کے امراض سیاہ کے بابت کیا علم رکھتے ہو؟"

—"میں نے تو کبھی ان بیماریوں کا نام بھی نہیں سنا"۔

صغر علی محمد علی تاجر عطر سے ہر قسم کا عطر طلب فرمائیے

—— "واٹس، مشرق میں بہت سی عجیب و غریب بیماریاں ہیں جن کا علم مغرب کے ڈاکٹروں کو نہیں ہے۔ حال ہی میں ایک معاملہ کی تفتیش کے سلسلہ میں مجھے بہت سی ایسی بیماریوں کا نہ صرف علم ہوا ہے بلکہ انھیں میں سے ایک میں مبتلا بھی ہوگیا ہوں جس کا علاج تم نہیں کر سکتے"۔

—— "اچھا تو میں ڈاکٹر انسٹری کو بلانے جاتا ہوں جو گرم ممالک کی بیماریوں کا اس وقت بہت بڑا ماہر سمجھا جاتا ہے"۔

یہ کہکر میں جانا ہی چاہتا تھا کہ ہومز نے شیر کی طرح جست کی اور فوراً دروازہ کے قفل میں کنجی لگاکر پھر بستر پر گر پڑا جیسے کوئی گولی کھاکر پڑ جائے اور بولا کہ "میں جانتا ہوں تم میری بھلائی چاہتے ہو، لیکن جب تک میں اجازت نہ دوں تم نہ جاؤ اور جس کو میں کہوں اسے بلاکے لاؤ۔ اب چار بجے ہیں، تم چھ بجے جاؤ اور اسوقت تک تم مجھے خاموش پڑا رہنے دو کیونکہ میں بہت تھک گیا ہوں"۔

یہ کہکر وہ خاموش ہوگیا اور میں نے بھی ارادہ کر لیا کہ چھ بجے تک خاموشی کیساتھ انتظار کرونگا۔ چند منٹ تک میں اسکے مضمحل و افسردہ چہرہ کو دیکھتا رہا اور یہ محسوس کرکے کہ شاید وہ سوگیا ہے، آہستہ آہستہ اٹھا تاکہ کمرے کے دیواروں میں ٹنگی ہوئی مجرموں کی تصاویر کو دیکھوں۔ اتفاقاً میری نگاہ ایک میز پر پڑی جہاں مختلف چیزیں منتشر حالت میں پڑی ہوئی تھیں۔ انھیں میں ایک چھوٹا سا صندوقچہ ہاتھی دانت کا نظر آیا اور میں نے چاہا کہ اُسے اٹھاکر دیکھوں۔ لیکن میرا ہاتھ اُسکی طرف بڑھا ہی تھا کہ ہومز دفعتہً چیخ اُٹھا اور ایسی بھیانک آواز سے چیخا کہ میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے اور جسوقت میں نے اس کو پلٹ کر دیکھا تو سخت خوف مجھ پر طاری ہوا کیونکہ اس کے جسم کی رگیں کھنچی ہوئی تھیں چہرہ تمتمایا ہوا تھا، آنکھیں ابلی ہوئی تھیں صندوقچہ میرے ہاتھ میں دیکھتے ہی بولا کہ فوراً رکھدو، اسی لمحہ میں میز پر رکھدو میں نہیں چاہتا کہ کوئی شخص میری چیزوں کو چھوئے، کیا تم مجھے پریشان کرنے آئے ہو"۔ یہ کہکر وہ پھر بستر پر پڑ گیا اور مجھے اس کے اس انداز سے سخت تکلیف پہونچی لیکن پھر یہ خیال کرکے کہ یقیناً اس کا دماغ متاثر ہے اور بحرانی کیفیت اسپر طاری ہے خاموش ہوگیا۔

اب چھ بجنے میں کچھ منٹ باقی تھے کہ پھر اُس نے سلسلۂ گفتگو شروع کیا اور بولا کہ "مسٹر واٹس تمھاری جیب میں کچھ ہے یا نہیں؟"

میں نے جواب دیا کہ "ہاں ہے"

—— "کوئی چاندی کا سکہ ہے"

—— "وہ بہت ہیں"

—— "وہ کتنے"

ہر قسم کا عطر اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے منگانا چاہئے

——"پانچ"۔

بہت کم ہیں۔ خیر۔ تم چاندی کے سکے تو جیب گھڑی میں رکھ لو اور باقی خُردہ پتلون کی جیب میں تاکہ توازن درست ہو جائے"۔ میں سمجھ گیا کہ وہ ہذیانی کیفیت میں مبتلا ہے اور اسی طرح بیٹھا رہا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے کہا "گیس روشن کر دو لیکن نصف۔ میرے پاس میز پر کاغذ اور خطوط رکھدو اور اسی صندوقچہ کو چمٹی سے پکڑ کر میرے قریب لے آؤ"

جب میں یہ کر چکا تو اُسنے میرا شکریہ ادا کیا اور کہا "اب تم جاؤ اور مسٹر کلورٹن اسمتھ کو جو ۱۳ لوئر برک اسٹریٹ میں رہتا ہے بلالاؤ"۔

میں اسکی ہذیانی حالت سے مایوس ہو گیا تھا اور سمجھتا تھا کہ اب کسی ڈاکٹر کا آنا بیکار ہوگا، لیکن یہ خیال کرکے کہ کیوں اسکی اس خواہش کو مسترد کیا جائے میں طیار ہو گیا۔ لیکن چونکہ میں اس شخص سے واقف نہ تھا اس لئے میں نے کہا کہ "میں نے تو یہ نام کسی ڈاکٹر کا نہیں سُنا ہے"۔

ہومز—— "تمھارا سننا ممکن ہے کیونکہ وہ شخص جو اس مرض کا ماہر ہے کوئی ڈاکٹر نہیں بلکہ ایک زراعت پیشہ شخص ہے۔ مسٹر کلورٹن اسمتھ، سماترا کے مشہور باشندوں میں سے ہے اور آج کل لندن میں مقیم ہے۔ اس کی رقبۂ کاشت میں یہ مرض پھیلا اور اس کو کافی مطالعہ کرنے کا موقع ملا۔ وہ بڑا با اصول انسان ہے اور چونکہ چھ بجے سے قبل وہ نہیں ملسکتا تھا اسی لئے میں نے تمھیں اسوقت تک روکا۔ اگر تم اُسے کسی طرح یہاں تک لاسکو تو مجھے اُمید ہے کہ وہ میری مدد کر سکیگا"۔

ہومز کی ساری گفتگو کا خلاصہ یہ تھا ورنہ اس نے اس مدعا کو خدا جانے کس قدر ٹوٹے ٹوٹے الفاظ میں سانس توڑ توڑ کر بیان کیا۔ گزشتہ چند گھنٹوں کے اندر ہی اس کی صورت بہت بدل گئی تھی۔ اس نے سلسلۂ گفتگو جاری رکھتے ہوئے کہا کہ "تم اُس سے صرف میری موجودہ کیفیت بیان کردو اور جس حال میں تم مجھے دیکھ رہے ہو وہ اس سے جاکر کہدو۔ ایک مرنے والے ہذیانی انسان کی جو حالت ہو سکتی ہے اس کا ذکر اس سے کر دو۔ میری زندگی اس کے آنے پر منحصر ہے اس کو کسی نہ کسی طرح مجبور کرو کہ یہاں آجائے وہ مجھ سے برہم ہے۔ اُس کے بھتیجے کے معاملہ میں میری اُسکی مخالفت ہو گئی ہے۔ اس لئے وہ مجھ سے ضرور عداوت رکھتا ہوگا، تاہم اگر تم اُسے یہاں کسی طرح لاسکتے ہو تو میری جان بچ سکتی ہے ورنہ نہیں"۔

——"میں ابھی جاتا ہوں اور گاڑی میں بٹھا کر لاتا ہوں"۔

——"نہیں اس کی ضرورت نہیں۔ اگر وہ یہاں آنے کا اقرار کر لیگا تو ضرور آئے گا اور پھر تم کوئی بہانہ کر کے وہاں سے چلے آنا، اس کو یہ نہ معلوم ہو کہ تم اس کے ساتھ آؤ گے"۔

ہر قسم کا عطر اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے منگانا چاہیے

میں اُس کی ہدایات سنکر نیچے اُترا اور یہاں اسکاٹ لینڈ یارڈ کا انسپکٹر مسٹر مارٹن سادہ لباس میں مجھے ملا۔ اُس نے ہومز کا حال مجھسے دریافت کیا اور میں نے اظہار افسوس کرتے ہوئے کہا کہ حالت بہت نازک ہے۔" اُس نے یہ سنکر خاص انداز سے مجھے دیکھا اور بولا کہ "ہاں میں نے بھی کچھ ایسا ہی سنا تھا۔" میں اس گفتگو کے بعد گاڑی میں بیٹھا اور روانہ ہوگیا۔

مسٹر کلورٹن مکان پر موجود تھا لیکن جسوقت اس کا ملازم میرا کارڈ لے گیا تو اُسنے اس قدر زور سے کہ میں بھی باہر سُن سکتا تھا دریافت کیا کہ "یہ کون شخص ہے وہ کیا چاہتا ہے۔ میں نے تم کو بارہا سمجھایا کہ مطالعہ کے اوقات میں حرج نہ کیا کرو۔ جاؤ کہدو کہ میں اسوقت نہیں مل سکتا، اگر واقعی اُسکو کوئی ضرورت ہے تو صبح آئے۔"

میں یہ سنکر سخت فکر مند ہوا اور ہومز کا بستر مرگ پر تڑپنا میرے سامنے آگیا، خادم یہ پیغام لیکر باہر آیا تھا کہ میں بغیر حصول اجازت اُس کو ایک طرف کرکے کمرہ کے اندر داخل ہوگیا۔

مجھکو دیکھتے ہی وہ گھبرا کر اُٹھ بیٹھا اور بولا "اس کا کیا مطلب ہے۔ کیا میں نے تم سے ابھی نہیں کہلا بھیجا کہ کل ملنا"

——— میں نے جواب دیا کہ "اس مداخلت کی معافی چاہتا ہوں لیکن چونکہ معاملہ بہت اہم تھا اور مسٹر ہومز

——— "ہومز کا نام سنتے ہی اس کا غصہ فرو ہوگیا اور گھبرا کر بولا "کیوں ہومز کو کیا ہوگیا ہے" میں نے کہا کہ "وہ سخت بیمار ہے اور اسی لئے میں آپ کے پاس آیا ہوں"

اس نے ایک کرسی کی طرف بیٹھنے کا اشارہ کیا اور بولا کہ "مجھے یہ سنکر صدمہ ہوا۔ ہرچند میں ہومز کو کم جانتا ہوں صرف ایک معاملہ کے سلسلہ میں سرسری ملاقات ہوگئی تھی لیکن میں اس کی بہت عزت کرتا ہوں وہ تفتیش جرائم کا دلدادہ ہے اور میں تحقیق امراض کا"

——— "اسی لئے ہومز نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے اور اس کا خیال ہے کہ لندن میں صرف آپ ہی اس کی جان بچا سکتے ہیں"

یہ سنکر وہ چونکا اور بولا کہ "مسٹر ہومز نے یہ خیال کیوں قائم کیا کہ صرف میں ہی اس کی مدد کر سکتا ہوں"

——— "کیونکہ آپ مشرقی امراض کے ماہر ہیں"

——— "لیکن یہ اس نے کیونکر جانا کہ یہ بیماری مشرقی ہے"

"کیونکہ یہ بیماری اُسے اُن چینیوں کے درمیان رہنے سے ہوئی ہے جن کیساتھ وہ کسی جرم کی تحقیق میں کام کر رہا تھا"

یہ سنکر کلورٹن مسکرایا اور بولا "مجھے یقین ہے کہ اس کی بیماری زیادہ اہم نہ ہوگی۔ وہ کب سے بیمار ہے؟"

——— "تین دن سے"

اصغر علی محمد علی سے ہر قسم کا عطر خریدنا چاہئے

——— "ہذیانی کیفیت تو ابھی پیدا نہیں ہوئی"

——— "ہو گئی ہے"

——— "تو صورت بہت نازک ہے اور مجھے جانا چاہئے۔ اچھا تم باہر انتظار کرو میں ابھی آتا ہوں" چونکہ ہومز کی ہدایت مجھے یاد تھی اس لئے میں نے کہا کہ "مجھے اور ایک جگہ جانا ہے اس لئے آپ کے ساتھ نہیں جا سکتا" اس نے یہ سنکر کہا کہ "اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اس کے مکان سے واقف ہوں اور میں آدھ گھنٹے کے اندر وہاں پہونچ جاؤنگا"

جسوقت میں ہومز کے کمرہ میں داخل ہوا تو میرا دل ڈوبا جا رہا تھا کہ خدا جانے اسے کس حالت میں پاؤں۔ لیکن جب میں نے اُسے نسبتاً سکون کی حالت میں پایا تو مجھے کچھ اطمینان ہوا۔ اس نے نہایت کمزور آواز میں دریافت کیا کہ "کیوں واٹس ملاقات ہوئی"

——— "ہاں، وہ آرہا ہے"

——— "شاباش، واٹس، شاباش، اس نے پوچھا تھا کہ کیا بیماری ہے؟"

——— "ہاں اُسنے دریافت کیا اور میں نے جواب میں کہدیا کہ چینیوں کے ساتھ رہنے سے یہ بیماری لاحق ہوئی ہے"

——— "بیشک تم نے ٹھیک جواب دیا۔ اچھا اب تم جا سکتے ہو"

——— "لیکن میں انتظار کرونگا تا کہ اس کی رائے معلوم کروں"

——— "مگر میں چاہتا ہوں کہ وہ تنہا مجھے دیکھے اور آزادی کے ساتھ اپنی رائے دے اس لئے تم میرے سرہانے کے کمرہ میں چھپ جاؤ اور وہیں سے اس کی تشخیص سُن لینا"

یہ کہکر وہ اُٹھ بیٹھا اور گھبرا کر بولا "واٹس خدا کے لئے جلدی چھپ جاؤ گاڑی کے پہیوں کی آواز آرہی ہے۔ جلدی کرو اور کچھ بھی ہو تم نہایت خاموشی کے ساتھ سنتے رہے"

میں نے اس کے ارشاد کی تعمیل کی اور وہ پھر بستر پر گر پڑا۔ تھوڑی دیر بعد زینہ پر قدموں کی آواز آئی اور دروازہ کھُلا۔ مسٹر کلورٹن آکر ہومز کے سرہانے کھڑا ہو گیا تھوڑی دیر تک اس کی صورت دیکھتا رہا۔ اور پھر ہومز کا نام لیکر پکارا جب وہ نہ بولا تو جھنجھوڑ کر بولا "ہومز، کیا تم نہیں سنتے؟"

ہومز نے آہستہ سے آنکھیں کھولیں اور بولا "آہ، مسٹر آہستہ کیا تم ہو۔ مجھے اُمید نہ تھی کہ تم آؤ گے، بڑی مہربانی کی کیونکہ اس قسم کے امراض میں تمھاری قابلیت کا مجھے اعتراف ہے"

اصغر علی محمد علی تاجر عطر سے ہر قسم کا تمباکو منگائیے

—"کیا تمھیں معلوم ہے کہ تم کیا بیمار ہو؟"

—"وہی بیماری ہے"

—"کیا تم علامات سے واقف ہو"

—"خوب واقف ہوں"

—"ہومز، مجھے تعجب نہیں ہے اگر تمھیں بھی وہی مرض ہو جو وکٹر کو ہو گیا تھا۔ وہ چوتھے دن مرگیا۔ حقیقتاً یہ امر بہت تعجب خیز تھا کہ لندن میں رہکر اسکو وہ مرض لاحق ہوا۔ لیکن اس سے زیادہ حیرت انگیز یہ ہے کہ تم بھی اس مرض میں مبتلا ہو گئے"

—"لیکن اُس کی بیماری کا سبب تو تم تھے"

یہ سنکر کلورٹن مسکرایا اور بولا "تم اسے کس طرح ثابت کر سکتے ہو؟"

ہومز نے یہ سنکر کوئی جواب نہ دیا اور سراسیمگی کی حالت میں پانی مانگا۔ کلورٹن نے کہا "اے میرے دوست تمھارا وقت اخیر آرہا ہے لیکن چونکہ میں تم سے ایک بات کہنا چاہتا ہوں اس لئے تمھیں پانی دیے دیتا ہوں تاکہ تم بغیر سُنے مر نہ جاؤ"

ہومز نے کہا کہ "مسٹر کلورٹن میرے لئے جو کچھ کر سکتے ہو کرو، تم مجھے اچھا کر دو میں قسم کھاکر کہتا ہوں کہ سب کچھ بھلا دونگا"

—"کیا بھلا دوگے"

—"وکٹر کی موت کو جس کے متعلق تم نے ابھی اقرار کیا کہ تمھیں اس کا باعث ہوئے تھے"

"تم بھلا دو یا یاد رکھو اب مجھ پر کچھ اثر اس کا نہیں ہو سکتا، کیونکہ تمھاری موت مجھے تمام اندیشوں سے آزاد کر دینے والی ہے۔ علاوہ اس کے یوں بھی اس وقت وکٹر کی موت کا سوال نہیں ہے بلکہ مسئلہ تمھاری موت کا پیش ہے اور اسی پر گفتگو ہونی چاہئے۔ یہ تمھیں کیسے معلوم ہوا کہ یہ بیماری تمھیں چینی ملاحوں سے لگی" ہومز نے کہا کہ "میرا خیال ایسا ہی ہے"

وہ یہ سنکر ہنسا اور بولا کہ "تم کو اپنی عقل پر بڑا ناز ہے، لیکن یہ خبر نہ تھی کہ ہمکو ایسے شخص سے واسطہ پڑا ہے جو بہت زیادہ چالاک ہے۔ اچھا غور کرو۔ تمھیں کچھ خیال ہے کہ تم کیسے بیمار ہوئے"

ہومز نے کہا کہ "مجھے بالکل یاد نہیں نہ میرا دماغ اس وقت کام دیتا ہے، خدا کے لئے تمھیں بتاؤ" اسنے کہا کہ "جس دن اس مرض کی علامت تم کو لاحق ہوئیں، کوئی خاص واقعہ ہوا تھا"

—"نہیں، کچھ نہیں"

عطریات اصغر علی محمد علی کے کارخانہ سے خرید کیجئے

——— "پھر غور کرو"

——— "میں خیال کرنے کے قابل نہیں ہوں"

——— "اچھا تو میں بتاتا ہوں۔ کوئی چیز تمھیں ڈاک کے ذریعہ سے ملی تھی"

——— "ڈاک کے ذریعہ سے ؟"

——— "ہاں، ہاں، کوئی صندوقچہ"

ہومز کی حالت اس وقت اور زیادہ بگڑ گئی اور اُس نے لڑکھڑائی زبان سے کہا کہ "مجھے غش آرہا ہے، سنبھالو، میں مررہا ہوں"

کلورٹن نے ہومز کو جھٹکا دیکر کہا کہ "سنو، تمھیں سننا پڑیگا جو میں کہ رہا ہوں۔ کیا تمھیں خیال نہیں ہے کہ بُدھ کے دن ایک صندوقچہ ہاتھی دانت کا تمھارے پاس آیا تھا اور تم نے اُسے کھولا تھا"

"ہاں، ہاں، مجھے یاد آیا۔ اس میں اندر کمانی لگی ہوئی تھی۔ یہی وہ صندوقچہ ہے جو میز پر رکھا ہوا ہے"

"بیشک یہی ہے اور اب دیکھو میری جیب میں جا رہا ہے تاکہ میرے خلاف شہادت میں پیش نہ ہوسکے اچھا تو ہومز سنو کہ یہ صندوقچہ میں نے ہی بھیجا تھا اور میں ہی تمھاری ہلاکت کا باعث ہوا ہوں۔ اب تم مررہے ہو اور میں اپنا جی خوش کرنے کے لئے یہاں اسوقت تک انتظار کروں گا جب تک تمھاری سانس ختم نہ ہوجائے" چونکہ تم جانتے تھے کہ وکٹر کو میں نے ہی ہلاک کیا تھا اس لئے تمھارا ہلاک کرنا بھی ضروری ہوگیا تھا۔ اے میرے عزیز دوست بتاؤ کہ اب دم نزع تم مجھ سے کیا چاہتے ہو"

اس کے جواب میں ہومز نے دیا سلائی اور سگریٹ طلب کیا۔ اور میں یہ سنکر خوشی کے مارے بے چین ہوگیا۔ کیونکہ ہومز اب اپنی اصلی آواز سے بول رہا تھا گو اس میں ضعف ضرور تھا۔

کلورٹن متعجب ہوکر کھڑا ہوگیا اور بولا "اس کا کیا مطلب ہے" ہومز نے جواب دیا کہ "نقل کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ انسان اصل سے قریب تر ہوجائے، میں قسم کھاکر کہتا ہوں کہ تین دن سے میں نے کچھ کھایا تھا نہ پیا تھا اور سب سے پہلے تمھیں نے مجھے پانی کا گلاس دیا۔ سگریٹ کے لئے میں بہت بیتاب تھا، سو اب وہ بھی مجھے مل گیا"

یہ کہکر اُس نے میز سے سگریٹ لیا اور دیا سلائی سے روشن کرکے پینے لگا۔ اس کے بعد ہی دروازہ کھلا اور انسپکٹر مارٹن اندر داخل ہوا، ہومز نے کہا کہ "لیجئے اپنے مجرم کو سنبھالئے، یہاں حاضر ہے"

مارٹن، کلورٹن کی طرف مخاطب ہوا اور بولا کہ "میں تم کو وکٹر کے قتل کرنے کے الزام میں گرفتار کرتا ہوں" یہ کہکر اُسنے

کارخانہ اصغر علی محمد علی نے بہت شہرت حاصل کی ہے

ہاتوں میں ہتکڑی ڈالدی، اور ہومز نے مجھسے مخاطب ہوکر کہا کہ "مسٹر واٹسن، میں تم سے معافی مانگتا ہوں اگر تمھیں میری کسی بات سے تکلیف پہونچی ہو، میں جانتا تھا کہ اگر حقیقتاً بیماری کی پوری کیفیت اپنے اوپر طاری نہ کروں گا تو نہ مسز ہڈسن کو متاثر کرسکونگا اور نہ تمھیں۔ میں جانتا ہوں کہ ڈاکٹری کے فن میں تم ماہر ہو لیکن میں نے قصداً تمھاری توہین کی تاکہ تم میرا علاج نہ کرو اور میں تمھارے ذریعہ سے مسٹر کلورٹن کو بلاؤں، جس نے مجھے بیمار ڈالنے اور ہلاک کرنے کے لئے وہ صندوقچہ بھیجا تھا جسکے چھونے سے میں نے تمھیں باز رکھا تھا۔ اس کے اندر کمانی ہے جو ڈھکنے کو زور سے کھولتی ہے اور اندر کے جراثیم سانس کے ذریعہ سے جسم میں داخل ہوجاتے ہیں۔ اس نے اپنے بھتیجہ کو بھی اسی طرح ہلاک کیا اور مجھے بھی ہلاک کرنا چاہتا تھا، لیکن شکر ہے کہ وہ اپنے مقصد میں ناکامیاب ہوا، اور میں اس کی گرفتاری اور خود اس کے منھ سے اقرار جرم کرانے میں کامیاب ہوا۔ میں جانتا تھا کہ اس کی فطرت بڑی انتقام جو ہے، اور یہ یقیناً میری بیماری کا حال سنکر آئے گا اور مجھے مرتا ہوا دیکھ کر خوش ہوگا، چنانچہ میرا خیال صحیح نکلا اور مسٹر کلورٹن یہاں تشریف لائے اور خود ہی نہایت آزادی سے اعتراف جرم کرلیا جس کا شکریہ ادا کرنا چاہیے"۔

یہ سنکر میں نے حیرت سے پوچھا کہ "خیر یہ تو سب کچھ ہوا لیکن تم نے اپنی صورت کیسے مریضوں کیطرح بنالی"۔

یہ سنکر وہ ہنسا اور بولا کہ "کیا تین دن کا فاقہ کرنے کے بعد انسان کے چہرہ پر رونق آجاتی ہے۔ رہا پیشانی کا پسینہ، آنکھ کی سرخی، لبوں کی پپڑی، سو یہ کوئی ایسی مشکل بات نہیں، ذرا سا ویسلین ماتھے پر، بلاڈونا کا ایک قطرہ آنکھ میں اور تھوڑا موم لبوں پر کافی تھا۔ میں تم کو اپنے پاس اسی لئے نہ آنے دیتا تھا کہ اگر تم نے میری نبض دیکھ لی تو معلوم کرلوگے کہ اچھا خاصہ ہوں اور پھر میرا سارا بنا بنایا کھیل بگڑ جاتا"۔

یہ کہکر ہومز نے میرا ہات پکڑا اور کلورٹن کو پولیس کی حراست میں چھوڑ کر میرے ساتھ گھر روانہ ہوگیا"۔

نیاز فتحپوری

نگار بک ایجنسی لکھنؤ

آپ کو تمام مشہور مصنفین کی کتابیں خواہ وہ قدیم ہوں یا جدید فراہم کرسکتی ہے، آپ کو جس کتاب کی ضرورت ہو پہلے ہمسے خط و کتابت کیجئے۔

(منیجر نگار لکھنؤ)

قسطاس مستقیم

(غالب و ذوق پر ایک محاکمہ)

مپرس وجہ سواد سفینہا غالب — سخن بمرگ سخن رس سیہ پوش آمد

خوش طالعی سے اگلے دسمبر کی تعطیلات میں اپنے ایک مخلص کے یہاں جا نکلا۔ موصوف چونکہ علم دوست ہیں اور اُردو ادبیات سے ایک خاص دلچسپی رکھتے ہیں وقت گزارنے کی غرض سے نگار کی کاپیاں اُٹھا لائے، اتفاق سے جریدہ ستمبر ہی کا ہاتھ آیا سرورق الٹتے ہی پہلی نظر "غالب کی ذہنیت" پر پڑی مضمون بہ سلسلہ ماسبق نظر آیا۔ بحکم ضرورت اور بوجہ اشتیاق اگست نمبر بھی نکالا۔ پورے مضمون کو شروع سے آخر تک مطالعہ کیا بے ربطیاں نظر آئیں اپنے دوست کو بتائیں اُنھوں نے فرمایا اسکا جواب بھی دسمبر کے پرچے میں آ گیا ہے۔ اُس تبصرے کو بھی بالاستیعاب دیکھا، مگر وہی حال اُسکا بھی پایا۔ اس میں شک نہیں کہ دونوں مضامین ایک نقطے پر ضرور متحد تھے یعنی ایک ذوق کی طرفداری اور غالب کے رشک میں اور دوسرا غالب پرستی میں کوتاہیِ وقت کو ملحوظ رکھتے ہوئے اور ساتھ ہی اپنی بے مائگی کو محسوس کرتے ہوئے اُس مہتم بالشان موضوع پر قلم اٹھاتے ہوئے پس و پیش ہوا مگر، (ع) "بیداد تواں دید و ستمگر نتواں گفت" دل نہ مانا لکھنے بیٹھ گیا۔ اگر قارئین عالی مقدار اس کے مطالعہ کے وقت ماہ اگست، ستمبر، دسمبر کی نگار کی جلدیں پیش نظر رکھ لیں تو اُمید ہے کہ افہام و تفہیم میں آسانی ہو۔ اور یہ تو اس محل پر کہنے کی ضرورت ہی نہیں کہ جب تک مضمون کو مکمل نہ دیکھ لیں راقم کو مورد تحسین و مستوجب نفرین نہ تصور فرمائیں۔ "حضرت زور فرماتے ہیں"

———— "مغربی اصول تنقید کی روشنی میں اردو شاعری پر نظر ڈالی جائے تو سب سے پہلے جس کا فقدان نظر آئے گا وہ پیغام خاص (message) ہے..... اس کے دبستان صرف زبان سے متعلق رہے تصنیف مصنف کی زندگی کا آئینہ ہوتی ہے۔ ہر مصنف یا شاعر کی ہستی اس کے کلام میں اسکی شخصیت کی خصوصیات کو جگہ جگہ نمودار کئے بغیر نہیں رہ سکتی..... قلب کی گہرائیوں میں جو رموز و اسرار مضمر ہیں انکی تصویر کشی کے لئے جن نگوں کی ضرورت ہے ان کا دوسروں کو میسر آنا دشوار ہے"

میر تقی کا قنوط۔ حالی کا قومی جذبہ انکی تمام مصنفات میں جلوہ گر رہتا ہے۔ اقبال کا اسلامی درد کئی کئی طریقوں سے اُن کے شعروں میں اپنی جھلکیں دکھاتا ہے۔ اکبر کی رجائیت شگفتگی اور ظرافت مزاجی سے اُنکا سارا کلام منور

تمباکو خوردنی اصغر علی محمد علی تاجر عطر سے منگانا چاہئے

نظر آتا ہے۔ پس ضرورت ہے کہ غالب کے کلام سے بھی اُن کی ذہنیت کا پتہ چلایا جائے"۔

جناب زور کو فقدان پیغام خاص اردو شاعری میں نظر آیا اور تھوڑی ہی دور چلکر میر تقی کا قنوط، حالی کا قومی جذبہ تمام مصنفات میں اقبال کا اسلامی درد اور اکبر کی رجائیت بھی سارے کلام میں پائی جانے لگی گیا یہ اسلامی درد، قومی جذبہ پیغام خاص نہیں ہیں ؟ ہاں اب زور صاحب شاید تاویل یہ فرمائیں کہ فقدان سے فقدان کلی مقصود نہیں ہے۔ ہم اس میں بھی خوش ہیں کہ چلو اردو شاعری کا یہ داغ تو مٹا مگر یہ کہنے سے زور صاحب کا دوسرا پہلو ضعیف ہوگیا کلیہ ٹوٹ گیا۔ اور جب کلیہ ٹوٹ گیا تو یا تو اکثریت رہی یا اقصریت پس اشتباہ رونما ہوا کہ ممکن ہے غالب مرحوم کا کلام بھی ایسا ہو کہ جسیں پیغام خاص کا فقدان ہو۔ اور ان کی ذہنیت کا پتہ نہ لگ سکے! اسوقت ہمیں اس سے کوئی بحث نہیں ہے کہ آیا پیغام خاص شاعری کا جزو لازمی ہے یا نہیں۔ اس کا ذکر اپنے موقع پر کیا جائیگا۔ اب موصوف کے دوسرے قول کو لیجئے "تصنیف مصنف کی زندگی کا آئینہ ہے"۔ یہ بھی کلیہ نہیں ہو سکتا واقعات بتاتے ہیں کہ بہت کم ایسے مصنف ہیں جنکی تصانیف سے انکی زندگی کے تین چوتھائی حالات بھی صحیح صحیح دریافت ہوئے ہوں۔ اس قول کی صداقت اور حقیقت تصنیف کی نوعیت سے وابستہ ہے اگر کوئی تصنیف خاص اس غرض سے بھی مصنف نے لکھی ہو تو بھی اس کی صداقت تامہ میں تو کلام ہی رہتا ہے۔ ممکن ہے کہ مصنف نے بہت سی باتوں کا شرم کیوجہ سے یا کسی اور مصلحت سے اخفا کیا ہو بہت کچھ رنگ آمیزی کی ہو۔ ہاں اکثر باتوں کا اس سے پتہ چل جاتا ہے۔ لیکن زندگی کا آئینہ تو وہ بھی نہیں۔ دور کیوں جاؤ، ہندوستانی سلاطین میں سے اکثر نے سوانح اور تزک خود لکھے ہیں کیا ایک نقاد مورخ بجنسہ اُنھیں تسلیم کر سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ اگر خارجی تصنیفات سے مصنف کی زندگی کی پتہ لگایا جائے تو اس کے واسطے مصنف کی تصانیف کی کثرت اور ضخامت شرط ہے بہت کچھ رطب یابس کے بعد اور دنوں کی دیدہ ریزی کے آخر میں کہیں ایک نقطہ مقصود حاصل ہوتا ہے جو کسی خاص بیباختگی کے عالم میں اسکی قلم سے ٹپک پڑتا ہے۔ اور ایک صحیح واقعۂ زندگی معلوم کرنے میں بیحد جانکاہی کرنی پڑتی ہے۔ ہاں اگر تصنیف کوئی ضخیمی تصنیف ہے اور اس کی نوعیت خطوط و مکاتیب وغیرہ سے ہے تو البتہ وہ اُس کے دلی راز کی حامل بوجہ احسن ہو سکتی ہے۔ اب زور صاحب ہی فرمائیں کہ بغیر ان رنگوں کے رشک کی تصویر کسقدر بے رنگ رہتی ہے۔ ستم ہے کہ محض ادعائے شاعرانہ کو واقعیت سے تعبیر کرلیا جائے۔ اگر عود ہندی، اردوے معلیٰ وغیرہ سے اس قسم کا استدلال کیا جاتا تو بیشک بہت کچھ قابل تسلیم ہوتا"۔

"جناب موصوف آگے چلکر فرماتے ہیں" مرزا غالب اگرچہ ایک آزاد شاعر تھے پھر بھی وہ اردو کے شاعر تھے اردو وہ جسکی شاعری میں متذکرہ بالا (عاشقانہ) مضامین جزو لاینفک کا درجہ رکھتے ہیں۔ ان کی خوددار طبیعت

عمدہ اور نفیس عطر اصغر علی محمد علی تاجر عطر سے منگایئے

کبھی گوارا نہ کرتی تھی کہ وہ شاعروں میں اپنے ہم فنوں سے کم رتبہ خیال کئے جائیں اور ان کی شاعری کم از کم اُن کے دوست واحباب کی ستائش بھی اُن کے لئے حاصل نہ کر سکے ...... اُنھوں نے بھی ان مضامین میں شعر لکھے اپنے مخصوص طرز ادا کے ذریعے ان میں چار چاند لگائے یہی وہ صنف ہے جس کے اشعار کلام غالب میں کثرت سے پائے جاتے ہیں اور خصوصاً اس کلام میں جو اُن کی ابتدائی شاعری کی پیداوار ہے۔ اور جس کا بہت کچھ حصہ اُنھوں نے "این دفتر پارینہ غرق مے ناب اولیٰ" کے بہ مصداق اپنے دیوان کا انتخاب کرتے وقت نکال باہر کیا تھا"

بیشک مرزا خوددار شاعر تھے آزاد مرد تھے اور ان کی کیا کسی کی بھی طبیعت گوارا نہیں کرتی کہ وہ شاعروں میں اپنے ہمعصروں سے کم رتبہ خیال کیا جائے، لیکن کلام اس میں ہے کہ جسکو چار چاند لگائے ہوں اُس کو یوں نکال باہر کریں شاعر کے مضامین اس کے فرزندان معنوی ہیں۔ کیونکر کوئی گوارا کریگا کہ اپنے لخت جگر کے گلے پر یوں بیدریغ چھری پھیر دے۔ اپنی تو سمجھ میں نہیں آتا کہ جناب کا ماخذ کیا ہے۔ اور اگر صرف وجہ مضامین کا کہنہ ہو جاتا ہے تو کوئی دفتر پارینہ غرق کرنے کے قابل نہیں ہوتا جو وہ تقویم پارینہ خیال کرکے نکال ڈالتے۔ ابتدائی عمر کا کلام تو غالب کا وہ ہے جس کے اوراق کو اُنھوں نے یک قلم باستثناء معدودے چند اشعار چاک کر ڈالا اور اس کے واسطے خود بخیال غالب اگر این دفتر بے معنی غرق مے ناب اولیٰ کہا جاتا تو بھی بیجا نہیں تھا۔ مرزا عود ہندی میں اپنے ایک شاگرد شاکر کو تحریر فرماتے ہیں "۲۵ برس کی عمر میں دس برس کے عرصے میں ایک بہت بڑا دیوان جمع ہو گیا۔ جب تمیز آئی اس دیوان کو دور کیا اوراق کو یک قلم چاک کیا دس پندرہ شعر واسطے نمونہ کے دیوان حال میں رہنے دئے بیدل کے طرز کے اشعار بھی اسی دفتر بے معنی میں مشمول تھے۔ مصنف کا یہ کہنا اور آنجناب کا یہ کہنا کہ غالب کی دوسری قسم کے اشعار وہ ہیں جن کو انھوں نے مرزا بیدل و میر تقی کی شاعری کی تقلید میں اور ان کے خیال کی تشریح کی طور پر لکھا تھا" حیران ہوں کہ کیسے تسلیم کروں ؎

مومن نبود غالب و کافر نتوان گفت   کارے عجب افتاد بدین شیفتہ مارا

یہ تمام تو محض تمہیدی مضامین تھے۔ اب اصل موضوع کی متعلق بھی چند اقتباسات ملاحظہ ہوں ؎

کہ مژدہ باد شناسندگان کالا را   فروختیم متاع سخن بریں فریاد

فرماتے ہیں "غالب کی ذہنیت رشک کی طرف بہت زیادہ مائل تھی، وہ رشک کو اپنا فرض منصبی سمجھتے تھے۔ اور نہ صرف اپنا بلکہ انکا خیال تھا کہ ہر عاشق مزاج کے لئے رشک لازمی ہے" ...... لیکن اسمیں شک نہیں کہ مرزا غالب کے لئے یہ ایک غیر معمولی بات ضرور تھی کہ وہ ذوق کو اس قدر مرتبہ حاصل کرتے ہوئے دیکھتے اسی ذوق کو جو انکے خسر نواب الٰہی بخش خان کے دست کرم کے ممنون منت تھے" صرف یہی نہیں مرزا غالب کا غرور خودداری

اگر آپ کو عطر خریدنا ہے تو اصغر علی محمد علی تاجر عطر سے خریدئے

مقتضی تھا کہ وہ ذوق کو اپنے سے کم لیاقت اور کم فہم سمجھتے تھے۔ ان کو فخر تھا کہ میں میر کا معتقد اور مقلد ہوں اور برخلاف اس کے ذوق جبکہ ایک صحبت میں اُنھوں نے مرزا سے کہا تھا "سودائی ہے" (نقل کفر کفر نباشد ایزدی)

بہت ممکن ہے کہ غالب نے طنزاً اور رشک کے سبب ناسخ کے اس خیال کو اپنا عقیدہ قرار دیا ہو۔ غرض مرزا غالب شیخ کو کم لیاقت ہی نہیں بلکہ سودا کا معتقد ہونے کی حیثیت سے بزعم خود بد مذاق بھی سمجھتے ہونگے"

ہرزہ مشتاب وپے جادہ شناساں بردار

نہ کوئی واقعیت نہ کوئی سند کیونکر باور کر لیا جائے۔ الہام ہو تو ہو مگر الہامی کلام میں بھی اگر تصمم اور استواری نہو تو کون باور کرے۔ اور پر جناب فرماتے ہیں مرزا کے لئے یہ غیر معمولی بات ضرور تھی کہ وہ ذوق کو اتنا مرتبہ حاصل کرتے ہوئے دیکھتے۔ جناب والا پر واضح ہو کہ نواب الٰہی بخش خاں مرحوم و مغفور کی اور شیخ کی پہلی ملاقات اسوقت ہوئی ہے جبکہ وہ ۱۹ انیس برس کے تھے ظفر مرحوم کے استاد ہو ہی چکے تھے۔ ملک الشعراء خاقانی ہند کا خطاب اکبر شاہ کے دربار سے مرحمت ہو ہی چکا تھا اور شہرۂ شاعری بھی اس اثناء میں دور دور پھیل چکا تھا اور ذوق مرحوم کا مرہون منت نواب ہونا کوئی عیب بھی نہ تھا۔ اس حال میں کہ نواب موصوف کے استاد تھے۔ پھر بیچارے غالب کی بناے رشک یہ تو نہیں ٹھہر سکتی جو آپ نے فرمائی کہ کہ مرزا سے نہیں دیکھا جاتا تھا ع

قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند

اچھا ایک اور بھی لطف دیکھئے، غالب مرحوم کی اسوقت شادی و نسبت الٰہی بخش مرحوم کے یہاں نہیں ہوئی تھی۔ مرزا آگرے میں تھے اور فقط گیارہ برس کے تھے اُن کی بساط کیا تھی جو اِسوقت میں ملک الشعراء خاقانی ہند کے مقابلے میں آتے اور رشک بھی کرتے جبکہ خود بقول مرزا پندرھویں برس میں جاکر اُنھوں نے شاعری شروع کی تھی سند اس امر کی یہ ہے کہ مرزا ۱۲۱۲ھ میں تولد ہوئے اور ذوق ۱۲۰۴ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۹ برس کی عمر میں استاد ظفر ملک الشعراء اور خاقانی ہند سب کچھ ہو گئے، پس معلوم ہوتا ہے کہ مرزا کی بناے رشک ازلی ہی تھی۔ اور رحم مادر ہی میں رشک کرنے لگے تھے، اور الٰہی بخش خان مرحوم کے یہاں رشتہ بھی عالم ارواح میں ہو گیا تھا۔

دیگر یہ کہ جناب زور صاحب نے یہ لطیفہ تو سن لیا کہ "سودائی تھا" لیکن یہ نہیں دیکھا کہ ناسخ غالب اور میر صاحب جیسا نقاد خود مرزا سودا کے متعلق کیا راے رکھتا تھا۔ سودا کے باب میں ناسخ نے کہا ہے ؎

کب ہماری فکر سے ہوتا ہے سودا کا جواب ٭ ہاں تتبع کرتے ہیں ناسخ ہم اس مغفور کا ٭

غالب نے شاہ عالم اور چودھری عبد الغفور کے رقعہ میں جو راے ظاہر کی ہے وہ آپ عود ہندی میں دیکھ سکتے ہیں

ہر قسم کا عطر اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے منگائیے

کہ آیا وہ اُن کو خوش مزاج خیال کرتے تھے یا بد مذاق تصور فرماتے تھے۔ میر کی رائے اس سے بڑھکر اور کیا ہوسکتی ہے ؎

اے میر مجھیو مست مجذوب کو اُردو سا ہے وہ خلف سودا اور اہل ہنر بھی ہے

علاوہ ازیں اور بھی جا بجا میر صاحب نے مرزا رفیع کی شاعری کا اعتراف کیا ہے۔ پھر مرزا بھی ایسے بد مذاق نہیں تھے جو ذوق کو ناحق بد مذاق کہدیتے۔ ہرگز وہ اُنھیں کم لیاقت نہیں خیال کرتے تھے اس لطیفہ میں محض جودت طبع مرزا کو دکھلانی منظور تھی مزاحاً کہدیا تھا۔ اگر اس مشہور قطعہ کو جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ذوق کی طرف روئے سخن کرکے لکھا گیا تھا ایسا ہی تسلیم کیا جائے تو اس میں بھی آگے چلکر یہ شعر موجود ہے ؎

ہاں من وا یزد ہنائے شکوہ بر نہر دو فاست تا نہ پنداری بہ پرخاش تو آہنگ منست

شاید اب بھی رفع اشتباہ نہوا ہو تو خود غالب کے الفاظ ملاحظہ ہوں میر مہدی کو لکھتے ہیں۔

"او میاں سید زادہ آزادہ دلی کے عاشق دلدادہ۔ ڈھے ہوئے اردو بازار کے رہنے والے حسد سے لکھنؤ کے برا کہنے والے نہ دل میں مہر و آزرم نہ آنکھوں میں حیا و شرم۔ نظام الدین ممنون کہاں، ذوق کہاں، مومن کہاں ایک آزردہ سو خاموش دوسرا غالب سو بیخود و مدہوش نہ سخنوری رہی نہ سخندانی، کس برتے تتا پانی"

گویا بزم سخن کی رونق ہی ان اشخاص کے دم سے سمجھتے تھے

پھر زور صاحب لکھتے ہیں "غالب کی زندگی اور شاعری ان دونوں سے کافی ثبوت ملتا ہے کہ وہ حد درجہ عالی ہمت اور آزاد رو تھے۔ اور چوتھا اور سب سے بڑا سبب جسکے باعث غالب میں رشک کو مستقل حیثیت حاصل ہوگئی انکی خودداری عالی ہمتی اور آزادہ روی ہے اور یہ تینوں رشک کی طرف فطرتاً رہبری کرتے ہیں"

"غالب کی عالی ہمتی اور بلند نظری اور دوسروں پر خود کو ترجیح دینا اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ سوائے اپنے اور خدا کے اور کسی ہستی کا قائل ہونا ہی نہیں چاہتے اور نہ صرف یہی بلکہ آگے چلکر خود اپنی ہستی کو بھی نظر انداز کر جاتے ہیں"

خوشا راہبر چشم بد دور راند

مجھے تو یہ سبب بہت ضعیف نظر آتا ہے کیونکہ آزادی اور عالی ہمتی کا نتیجہ رشک کبھی نہیں ہوسکتا بیشک ملکات رذیلہ سے ہے اور عالی ہمتی کے ساتھ کیونکر مجتمع ہوسکتا ہے۔ رشک پست ہمتوں کا کام ہے تنگ نظروں کا کام ہے نہ کہ بلند حوصلہ آزاد دلوں کا دوسروں پر خود کو ترجیح دینا بھی کوتاہ بینی ہے اور اپنے کو دور کھینچنا حد درجے کی تنگ نظری۔ دونوں کی انتہا کوتاہ ہمتی ہے نہ کہ علو ہمتی، زور صاحب نے غالب کو بربنائے رشک ہتی سے صرف علم تک پہونچایا ہمتو توقع زیادہ رکھتے تھے۔

عطریات صغر علی محمد علی تاجر عطر سے منگانا چاہئے

اس صوفی ماور النہری کو تنگ نظر دہریہ کہتے ہی تھے۔ آپ نے غالب کی علو ہمتی اور اس کے نتیجے رشک کو کیوں محدود کر دیا وحدت کا وجود کا بھی قائل کیوں رکھا۔ خاکم بہ فرق بے تکلف لاموجود الا غالب کہدیتے اور سند میں خود اس کا یہ شعر پیش کر سکتے تھے:۔

منظر اک بلندی پر اور ہم بنا سکتے عرش سے ادہر ہوتا کاشکے مکاں اپنا

خدا کا شکر ہے کہ یہاں کچھ یونہی سا پتہ تو چلا کہ جناب کی رائے میں مغالطے کا احتمال ہے یعنی رشک کے مضمون محض شاعری کی غرض سے بھی باندھے جاتے ہیں اور ممکن ہے کہ غالب نے بھی اسی وجہ سے باندھے ہوں"۔

اب حضرت عزیز کی رائے بھی ناظرین کے سامنے پیش کیجاتی ہے (ملاحظہ ہو نگار ماہ دسمبر ۱۹۲۶ء) ایجاز کے طور پر چند اقتباس درج کرتا ہوں ۶ باید ز حرف بعض حریفاں شناختن "۔ آپ فرماتے ہیں "اگر غالب مرحوم کی دربار سے بیگانگی کے تحت میں یہ جذبہ (وضعداری) کارفرما ہو تو آپ کو (زور صاحب کو) اس کے تسلیم کرنے میں دقت پیش آتی ہے۔؟"

——— زور صاحب کو اس میں دقت پیش آئے یا نہ آئے مجھے اس میں قطعی کلام ہے۔ اردو شعرا کا اسوۂ حسنہ دیکھکر، کیونکر مرزا کے بھی طرز عمل کو اسپر قیاس کیا جا سکتا ہے۔ کوئی چیز مجبور نہیں کرتی کہ خواہ مخواہ تسلیم کیا جائے۔ کوئی بدیہی امر نہیں کوئی قانون قدرت نہیں کہ شعرا اردو دربار سے بیگانہ ہی رہیں۔ اگر آپ میر، سودا، آتش و ناسخ کی معدودے چند مثالیں اس باب میں پیش کر سکتے ہیں تو دوسری طرف انشا، جرأت، مصحفی، ذوق، امیر، داغ وغیرہم کے اسوۂ سیئہ کی نظائر موجود ہیں، میں آپ سے کہتا ہوں کہ آپ غالب کو ان پر قیاس فرمائیں۔ یہاں آپ کو استدلال میں صریح مغالطہ ہوا۔ قیاس پر کوئی حکم نہیں لگایا جا سکتا جس واقعہ سے جناب نے استدلال کرنا چاہا ہے بالکل بے سود ہے، بے محل ہے، بے ضرورت ہے کہاں کالج کا ایک پرنسپل کہاں شاہی دربار۔ ہاتھی مٹ گیا تب بھی ہزار کا ہے۔ بہادر شاہ بہادر شاہ تھے مرزا مسٹر ٹامسن کو محض ایک اہلکار سرکار خیال کرتے تھے۔ خود نواب زادے تھے۔ عمائدین شہر سے تھے، مغربی رسوم سے واقف نہیں تھے چلے گئے۔ اگر ایسی ہی آن بان دربار شاہی میں ہوتی تو کوئی بات بھی تھی۔ میر نے تو آصف الدولہ سے سر بازار کہدیا تھا کہ دربار میں ملونگا بازار میں کھڑے ہوکر، باتیں کرنا شرفا کا دستور نہیں ہے، علاوہ اس کے واقعات سے بھی اُس کی تردید ہوتی ہے۔ اس سے کسے انکار ہے کہ مرزا غالب بڑی آن بان کے آدمی تھے، وہ بڑے وضعدار تھے اور جیسا کہ زور صاحب نے فرمایا ہے بیحد عالی ہمت بھی تھے، مگر زمانے کے آگے سب وضعداریاں دہری رہجاتی ہیں۔

مرزا نے خود ہی دربار میں رسائی چاہی، بیگانگی تو درکنار۔ اُنھوں نے بہ ایمائے حکیم احسان اللہ خان مرحوم مہر نیمروز کا ایک حصہ لکھا اور اسی کے ذریعے سے ۱۸۵۰ء میں باریاب ہوئے اور خدمت تاریخ نویسی پر بمشاہرۂ پچاس روپیہ ماہوار بخطاب نجم الدولہ دبیر الملک مرزا اسد اللہ خان غالب بہادر نظام جنگ مامور ہوئے۔ چنانچہ لوگوں کی تعریفوں پر

کارخانۂ صغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کی ایک شاخ گلزار حوض حیدرآباد میں ہے

اشارہ کیا ہے ؎

ہر ایک بات پہ کہتے ہو تم کہ تو کیا ہے تمھیں کہو کہ یہ انداز گفتگو کیا ہے
ہوا ہے شہ کا مصاحب پھرے ہے اتراتا وگرنہ شہر میں غالب کی آبرو کیا ہے

بہادر شاہ کے شکریہ میں ؎

غالب وظیفہ خوار ہو دو شاہ کو دعا وہ دن گئے کہ کہتے تھے نوکر نہیں ہوں میں

ایک جگہ کہتے ہیں ؎

خانہ زاد اور مرید اور مداح تھا ہمیشہ سے یہ عریضہ نگار
بارے نوکر بھی ہو گیا صد شکر نسبتیں ہو گئیں مشخص چار

لیکن اس سے انکی وضعداری پر کوئی حرف نہیں آتا۔ وہ حفظ اعزاز خاندانی پر مرتے تھے سو اس کی نوبت ہی نہیں آئی جو کوئی بدمزگی اور بیگانگی پیدا ہوتی، بادشاہ انھیں بقول اُن کے اپنے فرزندوں کے برابر پیار کرتے تھے"۔ اور بقول حالی مرحوم، مرحوم بہادر شاہ نے اپنی حیثیت کے موافق انکی خاصی قدر کی" مجھے انکی وضعداری حفظ اعزاز خاندانی اور علو ہمتی میں مطلق کوئی کلام نہیں ہے مگر گفتگو اس میں ہے کہ اشعار" مستانہ طے کروں الخ"۔ "ڈھونڈھے ہے الخ" (ملاحظہ ہو نگار دسمبر صفحہ ۱۵) سے بھی بغیر تاویل رکاکت ثبوت بہم پہنچ سکتا ہے یا نہیں اگر آپ ایسی ہی مبہم اور ذومعنیین اشعار سے اسی طرح استدلال کریں گے تو پھر کسی شاعر کو بھی مستثنیٰ نہیں کر سکتے۔ جناب عزیز فرماتے ہیں کہ" ذوق کے یہاں لمبی لمبی غزلیں ہیں، عامیانہ اور سوقیانہ مضامین ہیں خیالات زبان کے پابند ہیں تراکیب سُست۔ بندشیں کمزور اور مضامین نہایت ہی بے نمک ہیں صحت زبان کا ضرور خیال رکھا جاتا ہے مگر اس کی ذرا پروا نہیں کیجاتی کہ خیال کی حیثیت کتنی بلند ہے"۔

دوسری جگہ آپ فرماتے ہیں" بلاشبہ ذوق بدقسمتی سے شاعری کے باب میں کچھ بدمذاق ہی واقع ہوئے تھے۔ وہ عالم ضرور تھے قادر الکلام ضرور تھے۔ بہت بڑے قصیدہ گو تھے لیکن شاعر نہ تھے اور یقیناً نہیں تھے، مرزا کا انکے حق میں جو فیصلہ تھا وہ یقیناً درست اور صحیح تھا"۔ فغانی نے خوب کہا ہے۔ ع

این گواہی بس کہ حاسد میکند انکار من

حیرت کا مقام ہے کہ تراکیب سُست اور بندشیں کمزور بھی ہو گئیں اور آگے جاکر ذوق قادر الکلام بھی کہدئے گئے اور اعلیٰ درجے کے قصیدہ گو بھی، ہو گئی گویا قصیدہ گوئی شاعری نہیں ہے۔ کیا خاقانی شاعر نہیں تھے ظہیر فاریابی۔ سلمان ساوجی شاعر نہیں تھے۔ انوری۔ عرفی خاقانی شاعر نہیں تھے اور مرزا غالب خود جنھیں سب سے زیادہ اپنے قصائد فارسی

صغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے عطر حنا منگائیے

پر ناز تھا اور کہا کرتے تھے کہ جن قصائد پر مجھے ناز ہے وہ کوئی پڑھتا بھی نہیں۔ شاعر نہیں تھے۔ ماشاءاللہ

ایکہ مجموعۂ خوبی۔ چہ نامت خوانم

باستثنائے مرزا غالب یہ تمام شعرائے اہل ایران کے مسلم الثبوت قصیدہ گو ہیں، اور شاعری کے رکن رکین ہیں (مرزا کی معلوم نہیں کہ اہل ایران قصیدے میں انھیں کیا کہتے ہیں۔ میری ذاتی رائے یہی ہے کہ مرزا کے قصائد پر اُن کو ناز بیجا نہیں ہے اور ہم طرح قصائد دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عرفی سے ٹکر کھاتے ہیں) پھر بھلا کیونکر ہو سکتا ہے کہ ذوق بہت بڑے قصیدہ گو کہے جائیں اور بہت بڑے شاعر نہ مانے جائیں ؎

چو نشنوی سخن اہل دل مگو کہ خطاست　　سخن شناس نہ دلبرا خطا اینجاست

عزیز صاحب یہ بھی فرماتے ہیں کہ مرزا کا فیصلہ اُن کے حق میں یقیناً حق بجانب تھا اور زور صاحب نے بھی نہ معلوم اسے کیسے صحیح سمجھا نہ کوئی واقعہ نہ حکایت نہ روایت، کوئی گواہ نہیں، کوئی شہادت نہیں ایک استدلال تو یہ مصرع ہے کہ "انچہ در گفتار فخر تست آن ننگ منست" اور دوسرا ثبوت سہرے کا ایک مقطع "ہم سخن فہم ہیں الخ" پہلے مصرع کے متعلق آزاد اور حالی متفقہ طور سے کلمہ احتمال اور ماضی احتمالی استعمال کرتے ہیں کہ "شیخ ابراہیم ذوق جن کی نسبت مشہور ہے کہ مرزا کو اُن سے چشمک تھی ....." اور بعض اشخاص کا قول ہے ....." اور مقطع کی نسبت کیا آپ غالب کی زبان کا بھی اعتبار نہیں کرتے ان کی نیک نہادی سے اتنی بھی اُمید نہیں۔ میر مہدی کے خط کے اقتباس میں غالب کی رائے، ذوق مرحوم کے متعلق صاف صاف الفاظ میں بغیر تاویل کے لکھدی گئی ہے علاوہ اس کے یہ اشعار فارسی ملاحظہ ہوں:-

فارسی بین تا ببینی نقشہائے رنگ رنگ　　بگذر از مجموعۂ اردو کہ بیرنگ منست

راست می گویم من، واز راست نتوان کشید　　آنچہ در گفتار فخر تست آن ننگ منست

ہاں من وایزد بنائے شکوہ بر مہر و وفاست　　تا نہ پنداری بہ پرخاش تو آہنگ منست

اگر روئے سخن ذوق کی طرف ہو تو بھی اس سے غالب کی معذرت اپنے اردو کلام کے متعلق ظاہر ہے۔　　(باقی)

عترت علی (ایزدی)

فغان آرزو

جناب سید انور حسین صاحب آرزو لکھنوی کے مشہور شاعر کا مجموعۂ کلام جس پر نگار میں ریویو شایع ہو چکا ہے قیمت ؏ علاوہ محصول　منیجر نگار لکھنؤ

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا کارخانہ دنیا بھر میں مشہور ہے

اے کاش!

شاداب پہاڑوں میں اک وادیِ رنگیں ہو
دامن میں خرامیدہ اک چشمۂ سیمیں ہو
چھایا ہوا دنیا پر، کیفِ شب زریں ہو
تو جانِ نظارہ ہو،
میں مستِ نظارہ ہوں

اک رنگ جھلکتا ہو شہ کارۂ فطرت سے
اک حسن ٹپکتا ہو نظارۂ فطرت سے
اک کیف برستا ہو — فوارۂ فطرت سے
تو جلوۂ رسوا ہو
میں مستِ نظارہ ہوں

جب وادیِ سینا سے — بدست سحاب اُٹھے
مخمور فضاؤں سے — طوفانِ شراب اُٹھے
"دوشیزۂ فطرت" کے جلووں سے حجاب اُٹھے
تو بیخودِ صہبا ہو
میں مستِ نظارہ ہوں

جب رات کی تاریکی ہر چیز پہ چھا جائے
کوئل — شب اول کے نغمات سنا جائے
ہر بزم کو خاموشی — سنسان بنا جائے
تو کافرِ نغمہ ہو
میں مستِ نظارہ ہوں

کارخانہ اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے عطر منگائیے

جب گوشۂ خلوت سے گردوں پہ قمر آئے
بربط لئے ہاتھوں میں ہر زمزمہ گر آئے
پہلو میں ستاروں کے فردوس نظر آئے
تو حسن کی دنیا ہو
میں مستِ نظارہ ہوں

جب انجمنِ شب ہو کاشانۂ خاموشی
پُر کیف نظارے ہوں میخانۂ خاموشی
ہر بزم میں گرداں ہو پیمانۂ خاموشی
تو زمزمہ آرا ہو
میں مستِ نظارہ ہوں

جب "پریم" کے نغموں سے معمور یہ دنیا ہو
جب بارشِ مستی سے مخمور یہ دنیا ہو
جب رات کے جلووں سے مستور یہ دنیا ہو
تو شمعِ تجلی ہو
میں مستِ نظارہ ہوں

گھنگھور گھٹاؤں سے ــــ جُرعات برستے ہوں
پر شور فضاؤں سے ــــ نغمات برستے ہوں
دلدوز نواؤں سے ــــ جذبات برستے ہوں
تو کیف سراپا ہو
میں مست نظارہ ہوں

نغمات کی دنیا ہو رقصیدہ ستاروں میں
فطرت نظر آتی ہو بے پردہ بہاروں میں
ہو شغل مے و مینا جب بادہ گساروں میں

ہر قسم کا عطر اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے منگایئے

تو مستیِ رسوا ہو
میں مستِ نظارہ ہوں

جب دورِ بہار آئے جب "عیدِ محبت" ہو
"عہدِ گل و بلبل" سے تجدیدِ محبت ہو
جب نغمۂ فطرت سے تائیدِ محبت ہو
تو میری تمنا ہو
میں مستِ نظارہ ہوں

فرزانہ نہ ہو کوئی، دیوانہ نہ ہو کوئی
اس گوشۂ خلوت میں بیگانہ نہ ہو کوئی
اے کاش! ــــــ سوا میرے مستانہ نہ ہو کوئی
"اک مست سراپا ہو"
میں مستِ نظارہ ہوں

مخمور

چار کتابیں

الفاروق - مکمل ہر دو حصہ مع نقشہ دنیائے اسلام، علامہ شبلی کی سیرت حضرت عمرؓ پر مشہور کتاب ہے - قیمت عہ

ابو مسلم خراسانی - جرجی زیدان مصری کے مشہور ناول کا اردو ترجمہ - قیمت ۱۲؍

نقش ارژنگ - جلال الدین صاحب اکبر کی نظموں کا مجموعہ قیمت عہ

خطوط شبلی - عطیہ بیگم فیضی اور زہرا بیگم فیضی کے نام قیمت عہ

پتہ
مینیجر نگار بک ایجنسی نظیر آباد لکھنؤ

علم فراست الید

یا

سمدرک

ہندوستان میں شاید ہی کوئی ایسا شخص ہو جو علم سمدرک (یعنی ہات کی لکیریں دیکھ کر ماضی و مستقبل کے متعلق حکم لگانے کے فن) سے آگاہ نہ ہو۔ گاؤں کے پنڈت، قصبات کے جوتشی، شہروں کے مہذب پیشہ ور پیشینگوئیاں کرنے والے اور صحرا کی خانہ بدوش عورتیں، یہ سب ہندوستان کی آبادی کی وہ عناصر ہیں جو ہر چند حیات قومی کے اسباب لزومی میں داخل نہیں ہو سکتے لیکن ان کے وجود سے ہر شخص اپنی اپنی جگہ واقف ہے اور وہ لوگ بھی جو اس فن اور اس فن کے جاننے والوں کو نگاہ حقارت و بے اعتباری سے دیکھتے ہیں، کسی وقت اپنا ہات ان میں سے کسی کے سامنے پھیلا دینے سے احتراز نہیں کرتے خواہ وہ مزاحاً وتفریحاً ہی کیوں نہ ہو۔

تمام وہ علوم جن کا تعلق پیشین گوئی یا "اخبار عن الغیب" سے ہے، مذہب سے پیدا ہوئے ہیں اور اسمیں کلام نہیں کہ عام لوگوں کے لئے وہ مذہبیت کی جان ہیں۔ وہ شخص جو خدا کی جگہ مادہ کو حکمران سمجھتا ہے، جو معاد و خلود کا قایل نہیں ہے، جو صرف یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ انسان نام ہے صرف بعض کیمیائی اجزا کی مقناطیسی وابستگی کا اور اس کا فنا ہونا عبارت ہے ان اجزا کے انحلال و انتشار کا جس کے بعد پھر وہی حالت عدم طاری ہو جاتی ہے جو وجود سے پہلے پائی جاتی تھی، ظاہر ہے کہ وہ ایسے مرموز علوم کا قایل نہیں ہو سکتا جو ظاہری اسباب و علل کی حدود نتائج سے علحدہ ہیں اور جن کو صحیح تسلیم کرنے کے بعد ایک ناقابل فہم قوت برتر و اعلیٰ کا ماننا واجب ہو جاتا ہے، لیکن باوجود اس جحود و انکار کے بھی انسان کی زندگی میں بعض لمحات ایسے آتے ہیں جب وہ ایسی باتوں کی بھی صداقت پر ایمان لے آتا ہے جو اس کی سمجھ سے باہر ہیں اور ان امور کو بھی صحیح ماننے لگتا ہے جن کو علوم ظاہری کے خود ساختہ اصول کی بنا پر وہ ہمیشہ غلط سمجھا کرتا تھا۔

بظاہر یہ بات کسی طرح عقل میں نہیں آتی کہ ہات، پاؤں، آنکھ، ناک، سر و سینہ، بال اور ناخن کی ساخت و وضع یا اُن کی نرمی سختی کا تعلق انسان کی زندگی سے کیا ہو سکتا ہے یا اُن کو دیکھ کر اس کے ماضی و مستقبل پر

عمدہ عطر ملنے کی جگہ اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ ہے

کیونکر حکم لگایا جا سکتا ہے، لیکن باوجود اس کے بھی علم قیافہ کا وجود باقی ہے اور علم سمدرک قدیم عہد سے لیکر اسوقت تک رائج ہے۔ دنیا میں جس کا سد عرصہ تک قایم نہیں رہ سکتی اس لئے سب سے بڑا ثبوت کسی علم یا فن کی صداقت کا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ زمانہ کا ساتھ دے اور اصولاً اس کو ہر زمانہ میں تسلیم کیا جاتا ہو۔ اور علاوہ ان احکام کی صداقت کے جو علم سمدرک کے ذریعہ سے حاصل ہوتے ہیں، ایک ثبوت اس کی حقیقت کا یہ بھی ہے کہ تاریخی نقطۂ نظر سے جب اس کی قدامت یا ابتدا کا سراغ لگایا جاتا ہے تو ثابت ہوتا ہے کہ نہ صرف عہد تاریخ میں بلکہ اس سے قبل بھی اس کا وجود پایا جاتا تھا اور نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کونسی الہامی قوت تھی جس نے اس زمانہ کے وحشی اور غیر متمدن لوگوں کو بھی اس سے آگاہ کر دیا تھا۔

عہد تاریخ میں مصر، چین، فارس اور ہندوستان کو جو اہمیت حاصل ہے وہ کسی سے مخفی نہیں لیکن شاید اس کا علم کم لوگوں کو ہوگا کہ یہ فن ان تمام ملکوں میں (اُن کے ابتدائی دور ترقی میں بھی) رائج تھا اور جیسا کہ بعض کا خیال ہے ممکن ہے سرزمین اہرام (مصر) ہی سے ایشیا کے ممالک میں منتقل ہوا ہو کیونکہ مصری کاہنوں کا بعض علوم فطری کے رازوں سے آشنا ہونا اور علاوہ علم سمدرک کے کہربائیت، اشراقیت اور مخاطبت ارواح وغیرہ سے واقف ہونا اور اپنی مذہبی برتری کے اظہار کے لئے عوام کو اُن کے اعمال واثرات سے مرعوب کرنا بخوبی ثابت ہے۔

چنانچہ منجملہ دیگر اسناد کے، ایک زبردست سند ارسطو کی پیش کی جا سکتی ہے جس نے اس کا ذکر تفصیل سے کیا ہے۔ جس زمانہ میں ارسطو مصر میں قیام پذیر تھا اس وقت مصر کے کاہنوں سے اسنے بہت سے مخفی علوم حاصل کئے تھے اور انھیں میں علم سمدرک بھی تھا جس کا خصوصیت کیساتھ اس نے ذکر کیا ہے۔

ارسطو کی تصانیف میں اکثر اس علم کی تلمیحات ملتی ہیں اور کہا جاتا ہے کہ اُسے ہرمس دیوتا کی قربانگاہ میں اس علم پر ایک رسالہ (جو زریں حروف میں منقوش تھا) ملا گیا تھا جسے اس نے سکندر اعظم کے پاس تحفۃً بھیجدیا تھا۔

عہد وُسطےٰ میں اس علم کو ترقی دینے کی کوشش کی گئی اور بعض اہم تصانیف بھی مرتب ہوئیں لیکن چونکہ یہ عہد وہ تھا جب دنیا ایک خاص بحران جنگ میں مبتلا تھی۔ اس لئے خواہ مخواہ اسمیں کامیابی نہ ہو سکی اور بعد کو جب اسکی کس مپرسی کا یہ عالم ہوا کہ سوائے خانہ بدوش فرزندان صحرا کے

ہر قسم کے عطر کا مخزن کارخانہ صغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ

کوئی اور اس طرف توجہ کرنیوالا نہ رہا تو اس کی رہی سہی عظمت و وقعت بھی خاک میں ملگئی اور دنیا پھر کچھ عرصہ کے لئے اس کی طرف سے خالی الذہن ہو گئی

زمانہ گزرتا گیا، دن مہینوں میں، مہینے برسوں میں اور برس صدیوں میں تبدیل ہوتے رہے یہاں تک کہ پھر تحقیق علمی کا دور شروع ہوا اور ایک مرتبہ اور یہ علم تاریکی سے روشنی میں آیا، چنانچہ اب یورپ اور خصوصیت کے ساتھ فرانسیسی زبان میں کثرت سے اس فن کا لٹریچر پایا جاتا ہے اور اس نے ایک مستقل علم و فن کی سی حیثیت اختیار کر لی ہے۔

جہاں تک مجھے معلوم ہے اس وقت تک اردو میں کوئی کتاب اس موضوع پر شائع نہیں ہوئی اور نہ کوئی بسیط و مستند مضمون لکھا گیا میں چونکہ عرصہ سے اس فن کی کتابوں کا مطالعہ کر رہا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ اگر کوئی شخص غایر مطالعہ اور کافی غور و فکر سے کام لیکر اس فن کے اصول کے مطابق احکام صادر کرے، تو ۹۰ فیصدی یقیناً صحیح ہوتے ہیں، اس لئے میں اس ماہ کے رسالہ سے ایک مستقل سلسلہ مضامین شائع کرتا ہوں۔ امید ہے کہ ناظرین نگار دلچسپی سے اس کا مطالعہ کریں گے اور اُن اصول کو پیش نظر رکھ کر جو آگے چل کر بتائے جائیں گے خود بھی کوشش کریں گے کہ عملاً اس کی مشق کریں۔ لیکن مجھے یہ امر ابتدا ہی میں گوشگزار کر دینا چاہئے کہ یہ فن نہایت دقیق ہے اور حکم لگانے کے واسطے پوری مہارت کی ضرورت ہے، اس لئے صرف مبادی کے علم کو مہارت سے تعبیر نہ کریں اور اس کے بعد بھی اس حقیقت کو بھی نظر انداز نہ کریں کہ جس قوت نے ہات کی ساخت اور اسکے خطوط کو ایک کھلا ہوا صحیفہ بنایا ہے اس کے اختیار میں یہ بھی ہے کہ وہ کسی کی قسمت کا فیصلہ کرنے کے لئے اُن اصول سے کام لے جو ہنوز علم انسانی سے باہر ہیں اور ممکن ہے کہ ہمیشہ ان پر حجاب پڑا رہے۔

نیاز فتحپوری

تقسیم

علم سمدرک جس کو عربی میں فراست الید اور انگریزی میں (Palmistry) کہتے ہیں دو حصوں میں منقسم ہے ایک وہ جس کا تعلق ہات کی ساخت، ہتیلی کی حالت، اور انگلیوں کی کیفیت، پوروں اور ناخنوں کی وضع سے ہے اور دوسرا وہ جس میں ہات کی لکیروں اور اس کے نشانات سے بحث کی جاتی ہے اور ہرچند بہت سی باتوں کا علم صرف ہات اور انگلیوں وغیرہ کی ساخت ہی دیکھکر ہو جاتا ہے۔ لیکن جب تک خطوط کا پورا علم حاصل نہ ہو کوئی

ہر قسم کی تمباکو خوردنی منگانے کا پتہ صفر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ

حکم اطمینان کے ساتھ نہیں لگایا جا سکتا اور نہ کسی کو ایسی کوشش کرنی چاہیے کیونکہ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ہات کی ساخت کچھ اور بتاتی ہے اور خطوط کچھ اور ظاہر کرتے ہیں، پھر ایسی صورت میں ماہرین فن ہمیشہ خطوط ہی پر زیادہ اعتماد کرتے ہیں اور اسمیں کلام نہیں کہ اس علم کے یہ دوسری شاخ بہت دقیق و مشکل ہے۔"

اس علم کی پہلی شاخ کو ہم دست شناسی اور دوسری کو خطوط شناسی سے تعبیر کرینگے

ہات کی قسمیں

متقدمین نے یوں تو ہات کو اس کی ساخت کے لحاظ سے سات قسموں میں تقسیم کیا ہے (اور یہ سیارات کی تعیین غالباً سبعہ سیارہ کی رعایت سے ہوگی) اور اس وقت بھی بعض ماہرین فن اتنی ہی تقسیمیں کرتے ہیں، لیکن حقیقتاً یہ صرف تین تقسیمیں ہیں اور انھیں کی اختلاط و امتزاج سے اور باقی چار قسمیں بنتی ہیں۔

(۱) مربع یا چوکور ہات ہم اُس ہات کو کہیں گے جس کی ہتیلی مربع ہو (یعنی اسکی لمبائی چوڑائی برابر ہو) اور انگلیاں بھی چوکور ہوں۔ انگلیوں کا چوکور ہونا یہ معنی رکھتا ہے کہ وہ گول اور پتلی نہ ہوں بلکہ پُرگوشت ہوں اور ظاہر ساخت اُن کی ایسی ہو کہ اُس کو دیکھ کر ہم چوکور سمجھ سکیں۔ ذیل کے نقشہ سے مربع ہات کا مفہوم آسانی سے ذہن نشین ہو سکے گا۔"

جب تم کسی شخص کا ہات مربع قسم کا دیکھو تو سمجھ لو کہ وہ عملی انسان ہے، زندگی کا مطالعہ مادی اسباب اور عملی نقطۂ نظر سے کرتا ہے، محتاط و

عطر ملنے کی جگہ صغیر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ

دپیش بیں ہے، خیالات و اعمال میں اس کے ایک خاص ترتیب و سلیقہ ہے، محبت کا اظہار اس کی طرف سے بہت کم ہوتا ہے، لیکن جسکے ساتھ اس کی دوستی ہوجاتی ہے اُس کو اخیر تک نباہتا ہے اور کاروبار میں قابل اعتماد ہے۔ یہ تو اس ہات کی خوبیاں ہیں لیکن اسی کے ساتھ ایسے ہات والے میں بعض نقایص بھی ہوتے ہیں مثلاً یہ کہ اس میں اختراع و ایجاد کا مادہ نہیں ہوتا، لکیر کا فقیر ہوتا ہے، جو چیز ظاہر میں اُسے جیسی نظر آتی ہے ویساہی اُس کو سمجھتا ہے اور بطون پر غور نہیں کرتا۔

اگر کسی کا ہات بہت زیادہ چوکور ہو تو سمجھ لینا چاہئے کہ اس میں یہ صفات زیادہ تکمیل کے ساتھ پائی جاتی ہیں، ہر امر پر وہ اپنے ہی نقطۂ نظر سے غور کرتا ہے اور مشکل سے اس کو کسی بات کا یقین دلایا جاسکتا ہے۔ اگر چوکور ہات کے ساتھ انگلیاں بھی چھوٹی ہوں تو جان لو کہ یہ باتیں اور زیادہ شدت کیساتھ پائی جاتی ہیں اور ایسا شخص اپنی رائے سے کبھی ہٹ نہیں سکتا خواہ وہ کتنی ہی غلطی پر ہو

اگر چوکور ہتیلی کے ساتھ انگلیاں چپٹی، مخروطی یا ملی جلی ہوں تو بھی ایسا آدمی ہر کام کو عملی نقطۂ نظر سے دیکھیگا۔ اہل امریکہ کی ہتیلیاں اکثر چوکور ہوتی ہیں اور انگلیاں چپٹی (دیکھو نقشہ نمبر ۲) اس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ اپنی روزانہ ضروریات کے معاملات میں بھی مکانکی خیال کو نہیں چھوڑتے اور خالص مربع ہات اور چوکور انگلی والے کی طرح رسم ورواج کے پابند نہیں ہوتے بلکہ وہ اپنے معاملات کو موقع محل کے لحاظ سے ہشیاری و چالاکی سے پورا کرتے ہیں

بعض چوکور ہات والوں کی انگلیاں مخروطی (دیکھو نقشہ نمبر ۳) ہوتی ہیں۔ ایسے لوگوں میں بہت سی باتیں مخروطی ہات والے کی ہوتی ہیں (جن کا ذکر آگے آئے گا) تاہم مربع ہتیلی کی کاروباری احتیاط و اہلیت اور کیرکٹر کی قوت بھی اس سے ضرور ظاہر ہوگی اور مخروطی ہات کی ذہانت و اختراع اور آرٹ کا ذوق بھی اس سے نمایاں ہوگا۔ اس لئے مصوروں، نقاشوں، ڈراما کے طلبہ، مصنفین، شعرا اور ایکٹروں کے ہات اکثر اسی قسم کے ہوتے ہیں۔ (یعنی ہتیلی مربع اور انگلیاں مخروطی) فوج میں بھی جن لوگوں نے خاص شہرت حاصل کی ہے وہ ایسا ہی ہات رکھتے تھے

(۲) چپٹا ہات۔ اس قسم کا ہات وہ ہوتا ہے جس کی ہتیلی اور انگلیوں کے سرے دواساز کی چھری یا معمار کی کنی کی طرح چپٹے اور پھیلے ہوئے ہوتے ہیں۔ اس قسم کا ہات مضبوط ساخت کا ہوتا ہے اور انگوٹھا بڑا ہوتا ہے

اس ہات کی خصوصیات یہ ہیں :-

اعتماد نفس، قوت عزم و ارادہ کا استحکام، حریت خیال، ایجاد و اختراع کی اہلیت، پیش بینی، گھر سے باہر زندگی بسر کرنے کا شوق، مشینری کے کاموں سے دلچسپی، اقتدار و اثر قائم کرنے کا ولولہ، سیر و سیاحت، اکتشاف و ابداع کا شوق، ——— تقریباً اینگلو سیکسن اقوام اور خصوصیت کے ساتھ اہل امریکہ اکثر اس ہات کے مالک

ہر قسم کا عطر اصغر علی محمد علی تاجر عطر سے منگانا چاہئے

(شکل نمبر ۲)	چپٹا ہات

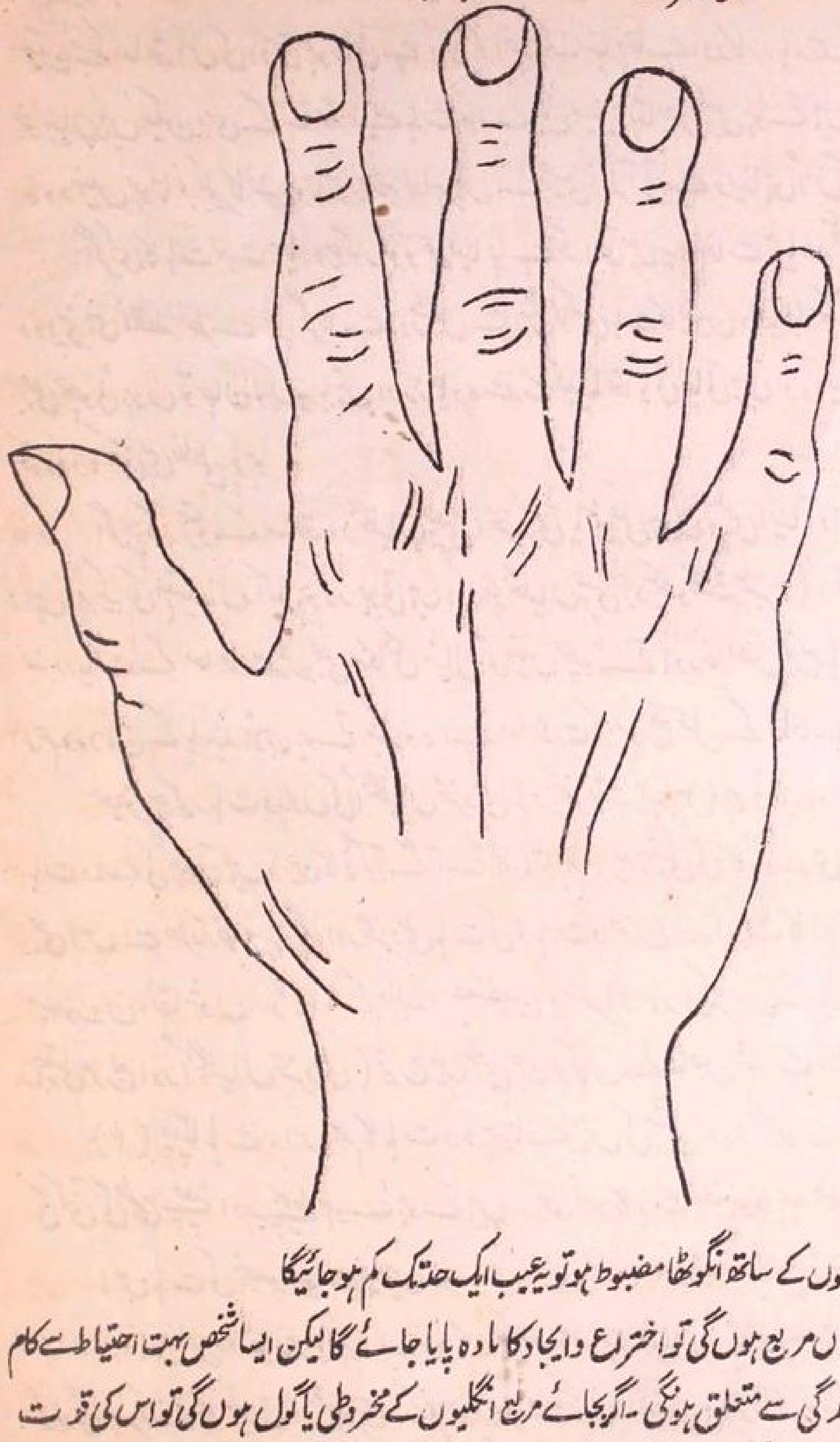

ہوتے ہیں۔ لیکن اس قسم کا ہات رکھنے والے جذبۂ ہمدردی کم رکھتے ہیں اور چونکہ آرٹ یا فنون لطیفہ کا ذوق بھی ان میں مفقود ہوتا ہے اس لئے وہ ایک چیز کے جسم یا حجم سے زیادہ متاثر ہوتے ہیں اور احساسِ حُسن ضعیف ہونے کی وجہ سے خوبصورتی کے پہلو کو نظر انداز کر جاتے ہیں۔ مذہب کے لحاظ سے یہ لوگ غیر متعصب ہوتے ہیں اور صرف اُنھیں باتوں کا یقین کرتے ہیں جو ان کی عقل میں آسکیں۔ جب چپٹی انگلیاں بہت زیادہ چوڑی ہوں گی تو یہ خصوصیات اور زیادہ نمایاں طور پر ظاہر ہونگی لیکن اگر اس قسم کا ہات بہت نرم ہوگا تو یہ خصوصیات تقریباً معدوم ہو جائیں گی اور ایسا آدمی اپنی ساری عمر تجویز و ارادہ ہی میں بسر کر دیگا، عمل کی طرف کبھی قدم نہ بڑھائے گا۔ لیکن اگر نرم انگلیوں کے ساتھ انگوٹھا مضبوط ہو تو یہ عیب ایک حد تک کم ہو جائیگا

اگر چپٹی ہتیلی کے ساتھ انگلیاں مربع ہوں گی تو اختراع و ایجاد کا مادہ پایا جائے گا لیکن ایسا شخص بہت احتیاط سے کام لیگا اور اسکی ایجادات ہمیشہ عملی زندگی سے متعلق ہونگی۔ اگر بجائے مربع انگلیوں کے مخروطی یا گول ہوں گی تو اس کی قوت ایجاد کا رجحان زیادہ تر آرٹ اور فنون لطیفہ کی طرف ہوگا۔

سب سے عمدہ اور بہترین عرقیات اصغر علی محمد علی تاجر عطر سے منگایئے

(۳) مخروطی ہات۔ اس قسم کے ہات کو فنی یا صناعی ہات بھی کہتے ہیں۔ (شکل نمبر ۳)

اس قسم کے ہات کی ہتیلی اوپر کی طرف یعنی انگلیوں کی جڑ کی جانب نسبتاً کم چوڑی ہوگی اور تقریباً ہتیلی ایک تہائی حصہ اوپر کی جانب دبیز ہوگی، اور اس کے بعد کلائی کی طرف ہتیلی کا حصہ تدریجاً پتلا ہوتا چلا جائیگا۔

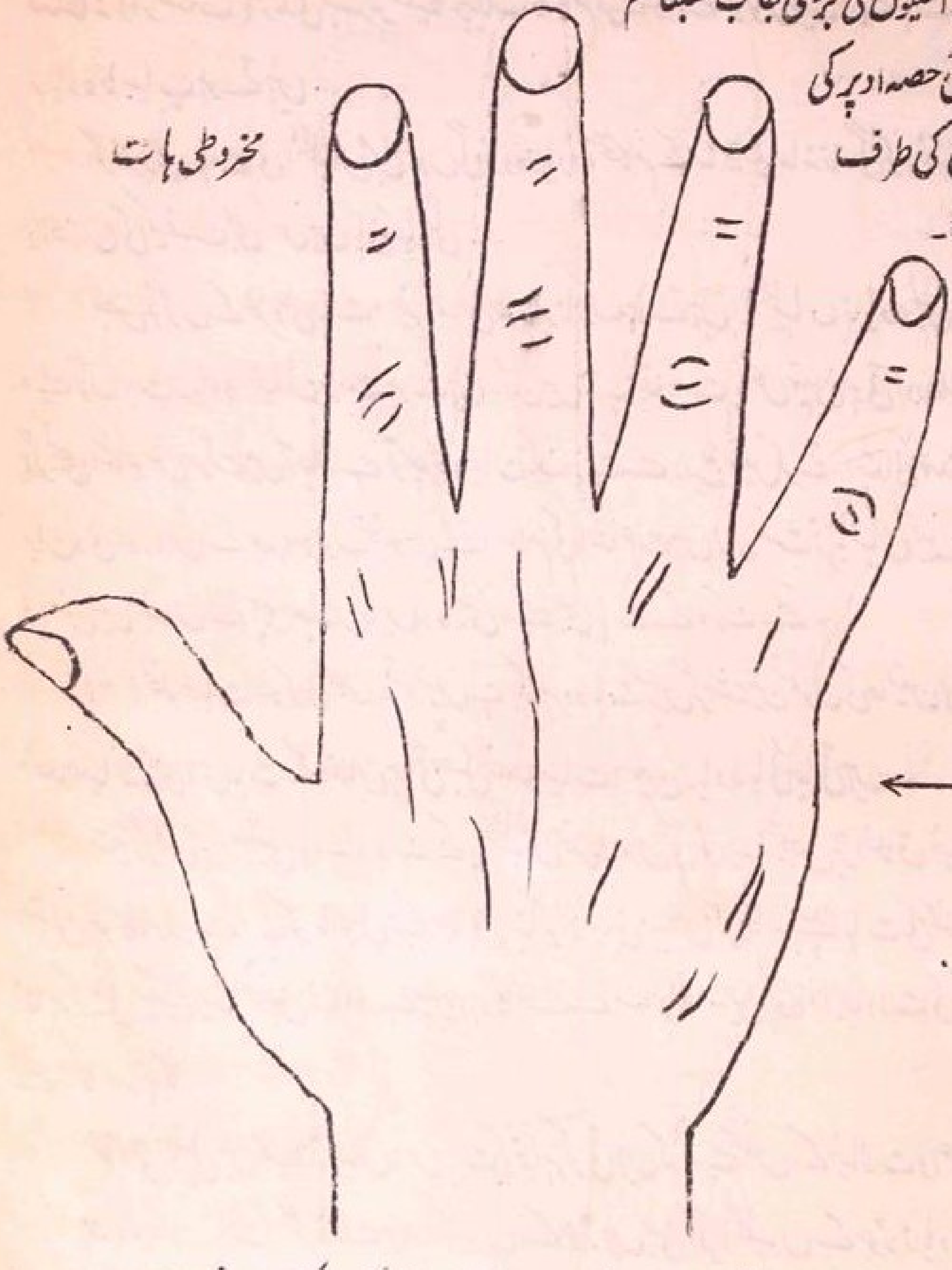

ناخنوں کی طرف ہات کا حصہ بالکل مخروطی ہوگا اور سارا ہات اگر انگلیاں ملکر دیکھا جائے تو انگشتانہ کی طرح گاؤ دم معلوم ہوگا ایسے ہات کا انگوٹھا اکثر چھوٹا ہوتا ہے۔

اس ہات کی صورت سے اندازہ ہو سکتا ہے:۔

ایسے ہات والا ہمیشہ اپنے جذبات سے مغلوب ہوجاتا ہے اور قوت عقل و تمیز سے کم کام لیتا ہے اسی کے ساتھ چونکہ وہ بہت سریع التاثر ہوتا ہے اس لئے ماحول کے اثر کو بہت جلد قبول کرلیتا ہے۔

اس کی محبت و دوستی میں قیام کم ہوتا ہے، لیکن جب وہ کسی سے محبت کرتا ہے تو پرستش کی حد تک پہونچا دیتا ہے۔ ذرا سی بات میں حد سے زیادہ مسرور ہوجانا اور معمولی امر میں مایوس و ملول ہوجانا اس ہات کی خاص صفت ہے۔

ایسے ہات والا انسان متذبذب طبیعت کا ہوتا ہے اور بغیر کسی خاص سبب کے کسی چیز سے مالوف اور کسی سے متنفر ہوجاتا ہے۔

لیکن فیاض و خطاپوش ہوتا ہے اور غصہ تھوڑی دیر کے لئے آتا ہے طبیعت میں جوش، فطرت و صنعت کے حسین پہلو کے ساتھ وابستگی اور حقیقی امور سے زیادہ خیالی امور پر توجہ کرنا ایسے ہات والے کی خصوصیت ہوا کرتی ہے۔

ہر قسم کا عطر صغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے خریدنا چاہیئے

اگر ایسے ہات والے کا انگوٹھا مضبوط ہوگا تو اس کی انھیں خصوصیات میں قوت ارادی کا اضافہ ہوجائے گا اور وہ ایک کامیاب صناعانہ (آرٹسٹک) زندگی بسر کر سکیگا۔ پبلک کا کام کرنے والے لوگوں میں ایسے ہات کے آدمی بہ نسبت اپنی ذہانت کے جوش سے زیادہ کامیاب ہوتے ہیں۔

اگر مخروطی ہات کی انگلیاں مربع ہوں گی تو وہ زیادہ استحکام کے ساتھ صناعانہ زندگی کو اختیار کریگا اور اگر چپٹی انگلیاں ہوئیں تو ایجاد و اختراع کی کیفیت بھی اس میں پائی جائیگی۔

بعض لوگوں کے مخروطی ہات، غیر معمولی طور پر نازک ہوتے ہیں، انگلیاں زیادہ لمبی ہوتی ہیں اور ہات بہت نوکیلا ہوتا ہے۔ ایسے لوگ بہت زیادہ خیال پرست ہوتے ہیں۔ اُن میں تاب مقاومت بالکل نہیں ہوتی اور حالات سے فوراً مغلوب ہوجاتے ہیں، لیکن اگر کبھی انکا جوش حرکت میں آجاتا ہے تو پھر وہ جان تک دینے سے دریغ نہیں کرتے۔ ابتدائی عہد عیسوی میں مسیحیت کے لئے جن لوگوں نے جان دی اور اس کے بعد وہ لوگ جنھوں نے اسلام کی اشاعت میں زبردست قربانیاں کیں سب کے ہات اسی قسم کے تھے اور انقلاب فرانس میں جنھوں نے اپنی جانیں دیں وہ بھی ایسے ہی ہات کے مالک تھے۔

(۴) مخلوط ہات۔ یہ کوئی علحدہ قسم نہیں ہے بلکہ ہر وہ ہات جسمیں گزشتہ تین قسموں کی حالتیں ملی جلی پائی جائیں مخلوط ہات کہلائیگا اور اسکی خصوصیات بھی اسی ہات کے مطابق ہونگی جسکی خصوصیات اسمیں زیادہ پائی جاتی ہیں۔

مثلاً اگر کسی مربع ہتیلی والے ہات کے انگلیاں مخلوط ہوں گی تو ایسا شخص بڑا اخلاق خیال ہوگا لیکن اس کا ہر خیال عملی زندگی سے متعلق ہوگا اور اپنے آپ کو ماحول کے مطابق بنا کر کامیابی حاصل کریگا۔ چپٹے ہات کی مخلوط انگلیاں بھی اُنھیں خصوصیات کو ظاہر کرینگی لیکن ایسا شخص زیادہ بے چین ہوگا، نئے نئے مناظر کا شایق ہوگا، ایجادات کی طرف مائل ہوگا لیکن عدم استقلال کیوجہ سے ناکام رہیگا۔

مخروطی ہتیلی میں مخلوط انگلیاں اس بات کو ظاہر کرتی ہیں کہ ایسے شخص کے خیالات و اعمال آرٹ سے زیادہ متاثر ہیں۔

(۵) گرہ دار ہات۔ گرہ سے مراد انگلیوں کے جوڑ ہیں یعنی اگر انگلیوں کے جوڑ زیادہ نمایاں ہوئے اور اگرہیں سی نمودار ہوگئیں تو اس ہات کو گرہ دار یا فلسفیانہ ہات کہیں گے۔

اوپر کی گرہ کا نمایاں ہونا فلسفہ کے میلان کو ظاہر کرتا ہے اور ایسا شخص بغیر ثبوت کے کسی بات کو نہیں مانتا، اور اس کے عقل و وجدان میں باہم جنگ رہتی ہے۔ دوسری گرہ کا نمودار ہونا ترتیب و سلیقہ کو ظاہر کرتا ہے۔

اگر کسی شخص کے ہات میں دونوں گرہیں نمایاں ہیں تو اس کے خیال اور عمل دونوں سے سلیقہ و احتیاط کا اظہار ہوگا۔

مربع ہات کی انگلیوں کی گرہیں اگر ابھری ہوئی ہونگی تو کاروبار کے لئے موزونی ظاہر ہوگی۔

کارخانۂ اصغر علی محمد علی تاجر عطر تمام دنیا میں مشہور ہے

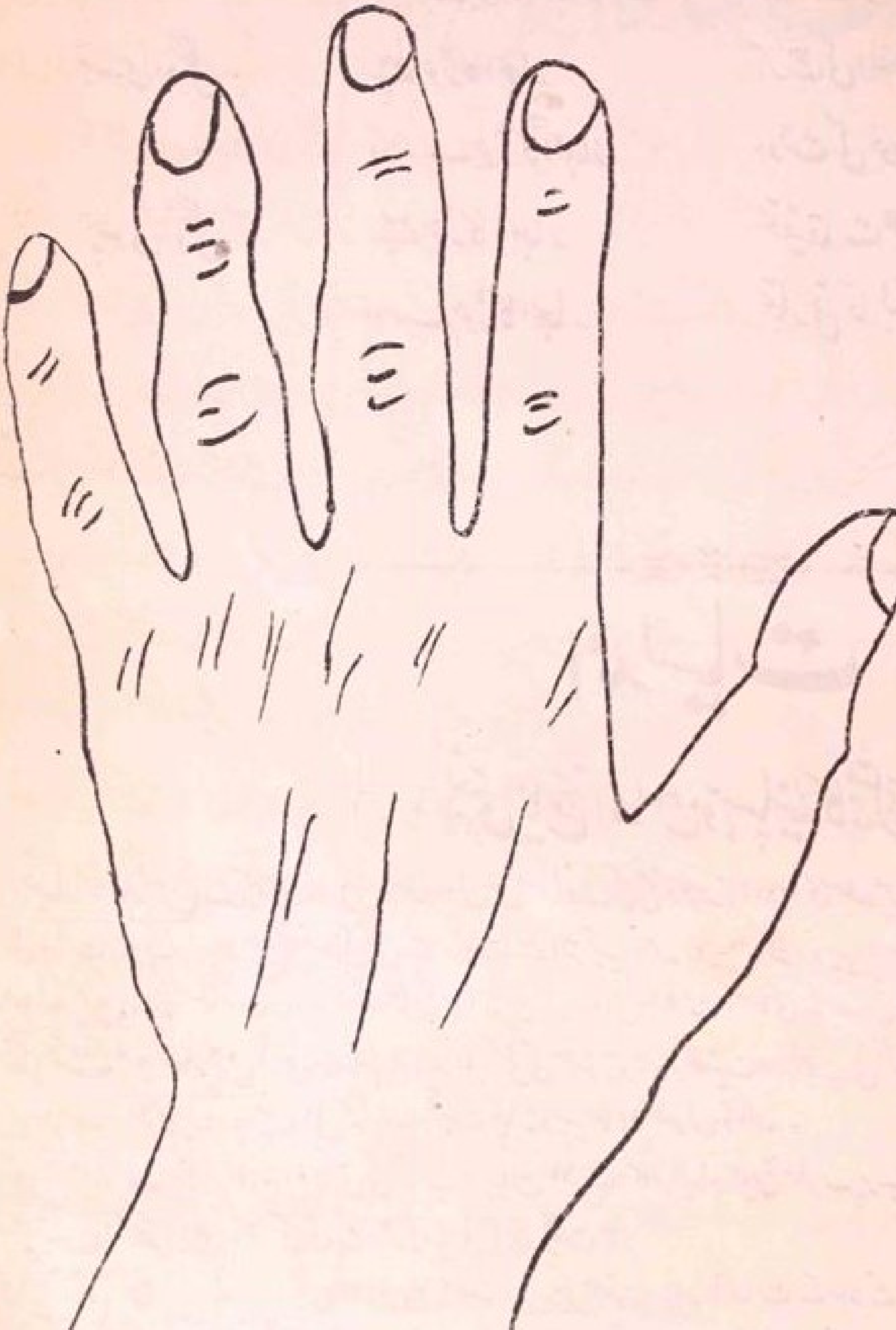

چپٹے ہات میں گرہ دار انگلیاں اکتشاف وایجادات کے ذوق کو ظاہر کرینگی۔

مخروطی ہات کی گرہ دار انگلیاں بتائینگی کہ اس میں علم وفن کے متعلق صداقت کی تلاش کا مادہ بہت قوی ہے اور نئے نئے خیالات واعتقادات کی طرف زیادہ مایل ہے۔

اسی قسم کے ہات کو فلسفیانہ ہات کہتے ہیں۔ یعنی انگلیوں کے دونوں جوڑ ابھرے ہوے اور ناخن والی پوریں مربع اور مخروطی ملی جلی ہوں اس طرح کی ساخت میں اگر صرف اوپر کی گرہ ابھری ہوگی تو انگلیوں کے سرے بھدے نظر آئیں گے۔ ایسے ہات والوں کا انگوٹھا بالعموم بڑا ہوتا ہے جس کی دونوں پوریں (جنسے عقل وارادہ ظاہر ہوتاہے) برابر ہونگی اس قسم کا ہات رکھنے والے ہر چیز سے دلچسپی لیتے ہیں۔ نوع انسان کا مطالعہ کرنا، اور اشیاء کی حقیقتوں پر غور کرنا ان کا دلچسپ مشغلہ ہوتاہے اُن کے معتقدات وخیالات مقلدانہ نہیں ہوتے بلکہ وہ ہر امر کو خواہ مذہب سے متعلق ہو یا اخلاق ومعاملات سے عقل کی ترازو میں تولتے ہیں اور پھر کسی نتیجہ پر پہونچتے ہیں

ذیل کے نقشہ سے معلوم ہوگا کہ مختلف انگلیوں میں مختلف جوڑوں کا ابھار کیا ظاہر کرتا ہے:-

کلمہ کی انگلی	پہلے جوڑ کا ابھار	مذہبی ضعف کو ظاہر کرتا ہے
"	دوسرے جوڑ کا ابھار	غرور اور خواہش اقتدار بتاتاہے۔

عطر خریدتے وقت صغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنوء سے خرید کیجیے

بیچ کی اونگلی	پہلے جوڑ کا ابھار	علوم ریاضی کے شوق کو ظاہر کرتا ہے
"	دوسرے جوڑ کا ابھار	زراعت و معدنیات کی طرف رغبت ظاہر کرتا ہے۔
تیسری اونگلی	پہلے جوڑ کا ابھار	آرٹ کی الفت بتاتا ہے
"	دوسرے جوڑ کا ابھار	دولت کی خواہش ظاہر کرتا ہے
چھوٹی اونگلی	پہلے جوڑ کا ابھار	تحقیقات علوم کو ثابت کرتا ہے۔
"	دوسرے جوڑ کا ابھار	تجارتی قابلیت کا ثبوت ہے۔

باقی ــــــــ باقی

اڈیٹر

اندلسیات

یعنی تاریخ اندلس و ہسپانیہ کا بہترین سلسلہ

اخبار الاندلس | تین ضخیم جلدوں میں۔ جلد اول میں مسلمانوں کی فتح و عروج، دوسری جلد میں زوال و انحطاط اور تیسری جلد میں انکی علمی و ادبی ترقیوں کی نہایت دلچسپ و بسیط تاریخ ضبط کی گئی ہے۔ قیمت علے الترتیب دس روپیہ، آٹھ روپیہ، سات روپیہ۔ مکمل سٹ عنه، علاوہ محصول۔

مولدین | اُن مسلمانوں کی دردناک تاریخ جو اسپین میں زوال سلطنت اسلامی کے بعد باقی رہ گئے تھے قیمت معہ محصول تین روپیہ۔

خلافت موحدین | یعنی علامہ عبدالواحد المراکشی کی مشہور و نادر تصنیف "المعجب فی تلخیص اخبار المغرب" کا بہترین ترجمہ۔ صقلیہ (سسلی) کی حکومت اسلام پر اردو میں پہلی کتاب۔ قیمت چار روپیہ علاوہ محصول ڈاک۔

تاریخ مغرب | یعنی علامۂ المراکشی کی کتاب "بیان المغرب" کا ترجمہ اور تاریخ مغرب پر بے مثل کتاب قیمت تین روپیہ مع محصول ڈاک۔

ترتیب القرآن | قرآن کی جمع و ترتیب کی تاریخ قیمت ۲ر

مختصر تاریخ اسلامی | تین حصوں میں حصۂ اول میں حضور سرور کائنات کے حالات ہیں دوسرے حصہ میں خلافت راشدہ اور تیسرے میں خلافت بنی امیہ کی تاریخ ہے۔ قیمت علی الترتیب ۸ر ۹ر ۱۰ر

مینیجر نگار بک ایجنسی لکھنؤ

فاخری منجن
دانت مسوڑے اور
زبان کے تمام
امراض کا دشمن
فی تولہ ۴ر
پانچ تولہ عہ
مصارف ذمہ خریدار
ملنے کا پتہ
ڈاکٹر سید قدسی فاخری
دائرہ شاہ محمد اجمل رح
الہ آباد

کارخانۂ اصغر علی محمد علی تاجر عطر کے یہاں ہر قسم کے تیل وغیرہ لکھنؤ سے خرید کیجئے

شعرائے ہند کا اجتماع

زینتِ ہر انجمن ہے شاعرِ رنگیں ادا — اس کے دل کش زمزموں پر ساری دنیا ہے فدا

ہے بظاہر محفلِ ہستی کا اک بیکار جز — ہے حقیقت میں مگر یہ کار فرما جابجا

گرمیِ محفل کا باعث ہے اسی کا ہر سخن — ہے اسی کے شعر سے ہر داستاں کی ابتدا

کار آمد جتنی چیزیں ہیں فنا انجام ہیں — گر بقا ہے تو اسی بیکار شے کو ہے بقا

دیکھتے ہو میر کو اب تک ہے صدرِ انجمن — ہے وہی کیفیتِ ہنگامۂ آہ و بکا

اس کے شعرِ درد آگیں پڑھتے جاتے ہیں دل — اس کی اک ضربِ قلم اور سو حسینوں کی جفا

شوکتِ مضموں سے چھا جاتا ہے محفل پر سکوت — عالمِ وحشت میں جب ہوتا ہے سودا لب کشا

جھومتا ہے درد کچھ ہونٹوں میں کہہ کر ادھر — اور اُدھر محفل کی محفل پر سماں ہے وجد کا

کہہ رہا ہے مصحفی یاں لگ رہا ہے چل چلاؤ — جب تلک بس چل سکے ساغر چلے" صبح و مسا

حضرتِ انشا پہ ہر خورد و کلاں ہی خندہ زن — ہیں کہیں شاعر کہیں عالم کہیں بہروپیا

آشیانوں میں پھڑک جاتے ہیں مرغانِ چمن — باغ میں ہوتا ہے جب ناسخ ذرا نغمہ سرا

شعلۂ آتش سے ہے پُر نور فانوسِ سخن — صورتِ پروانہ قرباں ہیں ثریا و سہا

ذوق کا لطفِ زبان زورِ بیاں سے ہے فزوں — کر دیا ہے صنعتِ الفاظ سے محشر بپا

کھنچ گئی تصویرِ حُسن و عشق ہے دیوار پر — غالبِ سرشار جب محوِ غزل خوانی ہوا

صحنِ مسجد میں نہیں یہ آہ و زاری بے سبب — بادۂ الفت کا مومن نے بھی چکھا ہے مزا

ذوالفقارِ حیدریؓ سے کم نہیں کلکِ انیس — فتنۂ محشر زمینِ شعر سے پیدا کیا

کہہ رہے تھے جس زباں کو تنگنائے حسن و عشق — کر دیا اُس نے اُسے وسعت میں دشتِ کربلا

ہو گیا حُسنِ ستمگر شوخ تر چالاک تر — داغ نے پہنائی کچھ ایسی محبت کی قبا

بادۂ معنی سے ہے لبریز مینائے امیر — جس کا اک اک قطرہ ہے قیمت میں گوہر سے سوا

حُسن بھی حالی کا گرویدہ محبت بھی کنیز — درد بھی پیمانہ بردار، ہوں میں غم بھی آشنا

ہر قسم کا عطر اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے منگائیے

ایک ساغر میں نظر افروز ہے غالب کی مے　　ایک ساغر میں ہے فردوسِ نگہ آبِ بقا
گام فرسا ہیں اسی سے رہ نوردانِ سخن　　اس اندھیری رات میں ہے یہ چراغِ رہنما
خامۂ آزاد اس گلشن میں مثل عندلیب　　کسقدر شیریں زباں ہے کسقدر جادو نوا
صورتِ شمشیر شبلی کا قلم ہے آبدار　　جسکے فیضِ بیکراں سے قطرہ دریا ہوگیا
کارواں والوں کو دکھلا دیں نئی راہیں کئی　　آسمانوں تک پہنچ جاتا ہے جن کا سلسلہ
حسن اکبر کی ترنم ریزیوں سے مست ہے　　صحنِ گلشن پر سماں ہے عالمِ تصویر کا
ہو رہے ہیں نوجواں رنگِ ظرافت پر نثار　　پا رہے ہیں پیرِ دانا دردِ الفت کی دوا
بربطِ اقبال کی ہنگامہ آرائی سے ہے　　کارگاہِ دہر میں ذوقِ عمل کی ابتدا
اس نے اس کے کنگرے پہنچا دئے افلاک تک　　حالی و شبلی نے ڈالی تھی جس ایواں کی بنا
شعر میں کرتا ہے رازِ ذہنِ فطرت آشکار　　کوئی اس کو شاعری کہتا ہے کوئی فلسفہ
روز و شب کی ہے ترنم آفرینی اسقدر　　اس چمن کا ذرہ ذرہ نغمہ پیرا ہوگیا
ایک ہلچل پڑ گئی فطرت کی جولانگاہ میں　　زاغ کی منقار سے پیدا ہے بلبل کی نوا
ہے جو یوں باغِ سخن میں زمزمہ پیرا نظر　　یہ بھی اک ادنیٰ سا پر تو ہے اسی کے فیض کا

اصغر حسین خاں نظیر لودھیانہ

مضامین شرر

مولانا شرر مرحوم کے مشہور رسالۂ دلگداز کے تمام مضامین اپنی نوعیت کے لحاظ سے علیحدہ علیحدہ مجلدات میں جمع کرائے گئے ہیں اور صفائی کے ساتھ چھاپے گئے ہیں۔ حسب ذیل مجلدات موجود ہیں۔

مضامین شاعرانہ و عاشقانہ جلد اول عہ دوم عہ۔ آغاز و اختتام سال عہ۔ ادب و تحقیق مسائل عہ۔ اصلاح قوم و ملت ... تاریخی واقعات پر خیال آرائی عہ۔ تاریخی و جغرافی مضامین جلد اول عہ۔ دو عہ۔ مشرقی تمدن کا آخری نمونہ۔ یعنی گذشتہ لکھنؤ ... سیر رجال۔ مشہور اکابر کے حالات عہ۔ نامور خواتین کی سوانح عمریاں جلد اول عہ دوم عہ۔ نظم ڈراما عہ۔ ملنے کا پتہ۔
منیجر نگار لکھنؤ

تضمین بر غزل ڈاکٹر سر محمد اقبال

میں ہوں ذرہ کوے نیاز کا تو حریم جلوۂ ناز میں ہو — کبھی غیریت کا حجاب اٹھا کبھی آ نظر تو نماز میں
نہیں مہرِ حسن کی شان یہ کہ نہاں ہو پردۂ راز میں — کبھی اے حقیقتِ منتظر نظر آ لباس مجاز میں
کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں مری جبین نیاز میں

تو ہے لجۂ یمِ لامکاں تو محیطِ جوشش و خروشش ہو — تو ہے غنچۂ چمنِ ازل تو چٹک کے زمزمہ گوش ہو
تو ہی جبکہ سازِ الست ہے تو یہ ہے ستم کہ خموش ہو — طرب آشنائے خروش ہو تو نوا ہے محرمِ گوش ہو
وہ سرود کیا جو چھپا ہوا ہو سکوت پردۂ ساز میں

ترا قلب پارۂ سنگ ہے اسے ضرب عشق سے کر فنا — تو نہ چاہ اس کی سلامتی یہ شکست ہی کیلئے بنا
بنا قاش قلب کا آئینہ تو جو چاہے حق کا معائنہ — تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے ترا آئنہ ہے وہ آئینہ
جو شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہ آئینہ ساز میں

نئی روشنی نیا دور ہے نئے ساز اور نئی انجمن — مگر اب کسی [illegible] نہ سوز ہے نہ وہ بلبلیں ہیں نہ وہ چمن
یہ سوال شمع تھا کرم سے کہ بدل گیا ترا کیوں چلن — دم طوف کرمک شمع نے یہ کہا کہ وہ اثر کہن
نہ تری حکایت سوز میں نہ مری حدیث گداز میں

ہوے فاش حشر میں راز سب ہر اک عضو کی جو زباں کھلی — مرے دفتر عمل سیاہ سے خلق لرزہ بجاں ہوئی
پھرا یاس سے جو میں چار سو نہ کسی نے مجھکو پناہ دی — نہ کہیں جہاں میں اماں ملی جو اماں ملی تو کہاں ملی
مرے جرم ہاے سیاہ کو ترے عفو بندہ نواز میں

کبھی تھیں زمانہ میں عشرتیں مہ حسن و عشق تھا ضو فشاں — کبھی حسن لیلی کی قیس پر تھیں مدام جلوہ طرازیاں
مگر اب وہ عہدِ کہن کہاں نہ کلیم اور نہ تجلیاں — نہ وہ عشق میں رہیں گرمیاں نہ وہ حسن میں رہیں شوخیاں
نہ وہ غزنوی میں مذاق ہے نہ وہ خم ہے زلف ایاز میں

میں بناکے نفس کو رہنما دو جہاں میں کیسا خجل ہوا — بڑھا ذوق معصیت اسقدر کہ نہ دل میں خوف خدا رہا
جو مکاں تجلی حق کا تھا وہ بتوں کو نذر میں دیدیا — جو میں سر بسجدہ ہوا کبھی تو زمیں سے آنے لگی صدا
ترا دل تو ہے صنم آشنا تجھے کیا ملے گا نماز میں

محمود زماں خاں

اعلیٰ درجے کے عطریات ملنے کی جگہ اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ

مسلم کا دورِ جمود

ہمنشیں کچھ انقلابِ ہستی فانی بھی دیکھ　　دیکھ لی بزمِ طرب، اب اسکی ویرانی بھی دیکھ
بخت و تدبیر رسا کی بحثِ طولانی بھی دیکھ　　غیر کی فرزانگی اور اپنی نادانی بھی دیکھ
جس کا سینہ تھا امینِ نکہتِ گلزارِ دہر　　اس گلِ راحت چشیدہ کی پریشانی بھی دیکھ
عرش مسکن تھا، کبھی جو لامکاں پرواز تھا　　اس سبک رفتار کی تو اب گرانجانی بھی دیکھ
گوشۂ داماں بنا تھا جس کا ستّارِ عیوب　　آج اس دلچاک کی عصمت کی عریانی بھی دیکھ
جسکی ہستی تھی کبھی آئینہ دارِ رمزِ کن تو　　آج اس ننگِ جہاں کا نورِ ایمانی بھی دیکھ
موج زن برقِ عمل تھی جسکی رگ رگ میں کبھی　　آج اس سیماب پیکر کی تن آسانی بھی دیکھ
چرخ پر چمکا تھا جو بنکر کبھی خورشیدِ علم　　تیرگی جہل کی اس میں فراوانی بھی دیکھ

دیدۂ عبرت سے کر افعالِ مسلم پر نگاہ
اور مری انجام بیں نظروں کی حیرانی بھی دیکھ

محمود اسرائیلی

ارتقا

دیکھ کر آشفتگی سمجھو نہ دیوانہ ہوا　　دل یہ داتے سے نجر مینا سے میخانہ ہوا
جستجو کے لگ گئے پر فیض سوزِ قلب سے　　کرمکِ بے مایہ بیتابی سے پروانہ ہوا
تم سمجھتے ہو کہ دل کا ہو گیا خانہ خراب　　میں یہ کہتا ہوں کہ اب آباد ویرانہ ہوا
ہے یہ وہ منزل جہاں کمظرف آ کر رہ گئے　　کوہکن نے جان دیدی قیس دیوانہ ہوا
آفریں ہمت پہ تیری اے دلِ ندرت پسند!　　لامکاں ہستی ہے جو۔ تو اسکا کاشانہ ہوا
اک حقیقت ہے کہ ہستی کی حقیقت کچھ نہیں　　ہو گیا معلوم یہ جس کو وہ افسانہ ہوا

ارتقا نے اپنے سر آنکھوں پہ دی اسکو جگہ
اپنی وسعت سے ابھی آگاہ جو دانہ ہوا

امیں حزیں

صفدر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے عطر منگا ئیے

عاشقِ فرزانہ

اک روز ایک عاشقِ شوریدہ سر ملا
سرمستِ جامِ بادۂ عرفاں کہیں جسے

تھی اُس کے بحرِ شوق میں ہر موجِ آرزو
ایسی حباب پوش کہ عریاں کہیں جسے

رکھتا تھا اپنے سینہ میں اک قلبِ چاک چاک
ہستی کے پیرہن کا گریباں کہیں جسے

سر میں خمارِ نشۂ صہبائے حسن و عشق
دل میں وہ سوز آتشِ پنہاں کہیں جسے

غم کا چبھا ہوا رگِ جاں میں وہ نیشتر
دشتِ طلب کا خارِ مغیلاں کہیں جسے

آنکھوں میں اشک، ہونٹ پہ آہِ نشاط سوز
چہرے پہ وہ ملال کہ حرماں کہیں جسے

برگشتہ بخت، واژگوں قسمت، الم نصیب
ایسا، ستم رسیدۂ دوراں کہیں جسے

درماندہ پائے سعی و تقاضائے شوق میں
وہ کشمکش کہ زیست کا ساماں کہیں جسے

گاہے نشستہ سر بگریبان و مضمحل
گاہے وہ پُر زجوش کہ رقصاں کہیں جسے

کہتا تھا فرطِ ذوق سے ہو ہو کے بیقرار
"اے دل! خوشا وہ درد کہ درماں کہیں جسے

جس درد سے تڑپتا ہے پہلوئے کائنات
اس درد کی طلب ہے مرا مقصدِ حیات"

انعام عظیم برنی

تصویر زیب النسا بیگم

یہ تصویر صنعت و نقاشی کا ایک نادر نمونہ ہے۔ رنگین آرٹ پیپر پر طیار کرائی گئی ہے۔ یہ وہی تصویر ہے جسکو حکومت ہند نے نہایت گراں قیمت پر خرید کرکے برٹش میوزیم کو دیا ہے۔ نہایت نفیس چیز ہے۔

قیمت علاوہ محصول ۸ر

مینیجر نگار نظیر آباد لکھنؤ

تصویر رقاصہ

بنگال کے مشہور مصور مسٹر مزمدار کے قلم کی بہترین صناعی۔ یہ تصویر بھی رنگین آرٹ پیپر پر طبع کرائی گئی ہے اور یہ تصویر رسالہ نگار مارچ میں شایع ہو چکی ہے۔ آپ دیکھیں گے تو بہت خوش ہونگے۔

قیمت فی کاپی صرف ۴ر

مینیجر نگار نظیر آباد لکھنؤ

عمدہ عطریات [illegible] تاجر عطر لکھنؤ سے خرید کیجئے

غزلیات

آزاد انصاری

کوئی ہر سو بھٹکتا پھر رہا ہے — نہ رہبر ہے نہ کوئی رہنما ہے
زہے طرز نواز شہائے مخصوص — کہ لب پر شکر ہے دل میں گلا ہے
بس اب تم کو تغافل ہی مبارک — ہمیں تھوڑا بہت صبر آچلا ہے
ہماری حسرتیں بھی مٹ سکیں گی؟ — ہمارے درد کی بھی کچھ دوا ہے؟
یہاں ہم اور تاب صبر عنقا — وہاں جو بات ہے صبر آزما ہے
کسی کی حسرتوں کی لاج رکھ لے — کسی کو تجھ سے امید وفا ہے
کہاں تیری توجہ اور کہاں ہم — بجا ہے بے نیازی ہی بجا ہے
یقیناً آپ کی ناقدردانی — مری خدمات پیہم کا صلا ہے
الٰہی! کامیابی رہنما ہو — کوئی امید وارانہ چلا ہے

جسے آزاد کہتا ہے زمانہ
حقیقت میں گرفتار بلا ہے

زور بی اے

دل جب سے ہوا ہے خوگر غم آزار میں لذت پاتا ہوں — گلبانگ مسرت دور رہے، میں اس سے بہت گھبراتا ہوں
جب دل پہ مصیبت پڑتی ہے پاتا نہیں میں غمخوار کوئی — حسرت کی نظر سے دیکھتا ہوں اور دیکھ کے بس رہ جاتا ہوں
وہ ناز و ادا میں سرگرمی سو رنگ سے جب دکھلاتے ہیں — جذبات کو لیکر پہلو میں، میں گرم دعا ہو جاتا ہوں

اے زور نہ کر راحت کی ہوس دنیا ہے یہ سب دھوکہ کی جگہ
چشمہ بھی سراب آتا ہے نظر جب پیاس بجھانے جاتا ہوں

صغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے عطر خرید نا چاہیئے

شوق مرادآبادی

بیٹھے ہیں ہم چُنے ہوئے تعمیر آرزو — آگے خدا کے ہاتھ ہے تقدیر آرزو
وہ میں ہوں جسنے صفحۂ دل پر ازل کے دن — کھینچی ہے عکس یار سے تصویر آرزو
بیگانگئ دہر نے دیوانہ کر دیا ہو
وارفتگئ شوق ہے تصویر آرزو

کیفی چریاکوٹی

عقل و خرد میں ہوش کسی کا نہ کیجئے — یعنی جنونِ عشق کو رسوا نہ کیجئے
دل ہے بقدرِ فرصتِ یک لمحۂ خیال — اس کو نگاہِ شوق سے دیکھا نہ کیجئے
ہر چند مرگ، غم سے رہائی کا نام ہے — میرے لئے اسے بھی گوارا نہ کیجئے
یہ فلسفہ ہے راحتِ ایام زیست کا — دل بس میں ہو تو کوئی تمنا نہ کیجئے
تا چشم موجِ اشک کو آنے نہ دیجئے — یہ دل کا راز ہے اسے افشانہ کیجئے
ہیں محتسب کی آنکھ سے آنکھیں لڑی ہوئی — یعنی نگاہ، جانب صہبا نہ کیجئے
جل جل کے کہہ رہے تھے یہ پروانے شمع سے — احسان زیست ہو تو گوارا نہ کیجئے
بتلا دو ل آج فلسفۂ خواہش نمود — اس زندگی کو وقفِ تماشا نہ کیجئے
سرمایۂ نشاط ہے اس ایک بات میں — اچھے برے کی دہر میں پروانہ کیجئے
پر وہ جنونِ عشق کا درماندگی میں ہے — اچھا ہے قصد جانبِ صحرا نہ کیجئے
بازار حسن و عشق ہے کیفی نظر فریب
ہے نقدِ دل جو پاس تو سودا نہ کیجئے

بواسیر خونی یا بادی ۶ عگ مرگی ۶ عگ باؤ گولہ ۶ دماغی خلل ۸ عہ — کا شرطیہ فقیری علاج ایک ہفتہ میں کامل صحت ورنہ قیمت واپس۔
شاہ ملک محمد انصار نمبر ۲۲ خیالی گنج لکھنؤ

کیف مرادآبادی

اُس نے جب بزم میں دیکھا مجھکو — نہ رہا ہوش ہی اپنا مجھکو
نہیں معلوم کہاں لیجائے — تیرے جلووں کی تمنا مجھکو
تو ہو۔ اور گرم نوازش مجھ پر — دیدیا آنکھ نے دھوکا مجھکو
دیدۂ کور نے دیکھا ہی نہیں — تو نے کیا کیا نہ دکھایا مجھکو
آج کیوں کیف نظر آتا ہے
ایک عالم تہ و بالا مجھکو

یوسف گجراتی

عین ہستی تھی عدم کی نیستی میرے لئے — موت کا پیغام لائی زندگی میرے لئے
حورِ جنت کی ستائش دینِ واعظ ہے۔ مگر — اصل ایماں ہے یہ بزم کافری میرے لئے
حسن والوں نے کیا دامِ محبت میں اسیر
باعثِ عزت ہے اسوہ یوسفی میرے لئے

زنانہ کتب خانہ

شوکت آرا بیگم ۳ـــ؍ اقبال دلہن عہ؍ عورتوں کی انشا عـ؍ مرأۃ العروس ۹؍ بہشتی زیور ۶ عہ؍
رویائے صادقہ عـ؍ صبح زندگی عہ؍ شام زندگی عہ؍ شب زندگی مکمل ۶؍ نوحۂ زندگی ۱۲؍

جاسوسی کے ناول

بہرام چور عہ؍ نیلی چھتری عہ بہرام کی گرفتاری عـ؍ چوروں کا کلب ۹؍ بہرام کی رہائی ۲ عہ؍
بہرام کی آزادی ۱۲؍ پر اسرار قتل ۶؍ بہرام کی سرگزشت عہ ترکی حرمسرا ۸؍ نطرقی جاسوس عہ؍

منیجر نگار بک ایجنسی نظیر آباد لکھنؤ

استفسارات

عیسیٰ علیہ السلام

(حبیب الرحمن الاعظمی مئو ناتھ بھنجن)

دسمبر کے نگار میں استفسارات کے ماتحت عزیز صاحب کا ایک استفسار اور آپ کا جواب پڑھنے سے معلوم ہوا کہ آپکو حیات مسیح کے ثبوت میں کلام ہے، بلکہ اس سے بیشتر آپ نے کسی نمبر میں وفات مسیح کے متعدد ثبوت پیش کئے ہیں مجھے افسوس ہے کہ مجھے نگار کا وہ نمبر ابتک دستیاب نہیں ہو سکا اس لئے اس مضمون کے متعلق اپنی رائے ظاہر کرنے سے معذور ہوں اس نمبر میں عزیز صاحب نے جس آیت کی نسبت استفسار کیا ہے اور آپ نے جواب میں جو تحریر فرمایا ہے سردست اس کی نسبت کچھ گزارش کرنے کی اجازت چاہتا ہوں پھر اگر خدا نے چاہا اور پہلی تحریر بھی ہاتھ لگ گئی تو کوشش کرونگا کہ اس کے متعلق بھی سنجیدگی اور متانت سے کچھ عرض کروں میں نے یہ جرأت اس اعتماد پر کی ہے کہ مجھے آپ کی تحریر نے یہ یقین دلایا ہے کہ آپ کا شمار اُن لوگوں میں نہیں ہے جو اپنی بات یا اپنے تقلیدی یا تحقیقی معتقدات کے خلاف ایک لفظ سننا بھی گوارا نہیں کر سکتے، آپ کے پہلو میں خود بین وخود پسند نہیں بلکہ ایک صداقت پرست وحق پسند دل ہے۔

میں آپ کو اس کا یقین دلاتا ہوں کہ آپ جو کچھ لکھیں گے میں اسکو نہایت ٹھنڈے دل سے پڑھونگا۔ اور جو کچھ خیال میں آئے گا عرض کرونگا۔

اتنا عرض کرنے کے بعد اصل مطلب شروع کرتا ہوں

عزیز صاحب یہ فرماتے ہیں کہ مائدہ کی یہ آیت۔ لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ہو المسیح ابن مریم قل فمن یملک من اللہ شیئاً ان اراد ان یہلک المسیح ابن مریم وامہ ومن فی الارض جمیعاً" جس کا مفہوم یہ ہے کہ وہ لوگ کافر ہیں جو کہتے ہیں کہ مسیح ابن مریم خدا ہیں ان سے کہدو کہ کون روک سکتا ہے اللہ کو اگر وہ ارادہ کرے۔ مسیح ان کی ماں اور تمام ان لوگوں کی ہلاکت کا جو زمین میں پائے جاتے ہیں" بتا رہی ہے کہ کم از کم اس کے نزول کے وقت مسیح ضرور زندہ تھے پس اگر مسیح کو زندہ نہ تسلیم کیا جائے تو آیت کا کیا مفہوم ہوگا آپ نے دو وجہوں سے اس مفہوم کی صحت سے انکار کیا ہے۔ یعنی

(۱) اس مفہوم کی صحت کی بنا پر سب سے بڑا اعتراض یہ وارد ہوتا ہے کہ کلام مجید سے مسیح کے ساتھ ان کی ماں کا بھی زندہ رہنا پایا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ صحیح نہیں۔

کارخانہ صغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے عطر منگانا چاہیے

(۲) اگر یہ مفہوم درست ہو تو پھر خدا نے بطلان الوہیت مسیح کے ثبوت میں ساری دنیا کے ہلاک کر سکنے کی قدرت کا اظہار کیوں کیا، جبکہ آپ کے عقیدہ کے مطابق مسیح کے حیات کا مسئلہ دیگر انسانوں کی حیات سے اپنی نوعیت میں بالکل علٰحدہ چیز ہے اور جبکہ خدا نے واقعی اس زمانہ کے سارے آدمیوں کو اسیوقت ہلاک کر کے اسکو ثابت بھی نہیں کیا یہ وہ کھلے ہوئے نقائص ہیں جن کی بنا پر آپ کے نزدیک یہ مفہوم صحیح نہیں۔ آپ کے اعتراضات کا حاصل خود آپ کی زبانی یہ ہے کہ اس مفہوم کی بنا پر آیت میں مسیح کی ماں اور من فی الارض کا ذکر بالکل بے کار معلوم ہوتا ہے۔ خیال تھا کہ آیت کا جو مفہوم آپ متعین کریں گے۔ وہ یقیناً ان نقائص سے پاک ہوگا۔ میں نے بہت شوق سے آپ کا بیان کردہ مفہوم پڑھا لیکن افسوس کہ مجھے جس بات کی تلاش تھی وہ اس میں مفقود تھی میں نے ہر چند غور کیا مگر کسی طرح یہ نہیں سمجھ سکا کہ مسیح کی ماں اور من فی الارض کا ذکر مفہوم اول کی بنا پر بالکل بیکار۔ اور آپ کے متعینہ مفہوم کی رو سے برمحل اور کار آمد کیوں ہے۔ آپ نے آیت کا مفہوم یہ قرار دیا ہے "وہ لوگ کافر ہیں جو مسیح کو خدا کہتے ہیں۔ ان سے کہو کہ کون روک سکتا تھا اللہ کو جب اس نے ارادہ کیا اس کی ماں اور ان لوگوں کی ہلاکت کا جو زمین میں تھے یعنی وہ لوگ جو مسیح کو خدا کہتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ وہ ابتک زندہ ہیں اتنا نہیں سمجھتے کہ خدا کو مسیح کے ہلاکت سے کون روک سکتا تھا جب آیت کی مراد بطلان الوہیت مسیح ہے اور آپ کے خیال کی بنا پر اس کی دلیل صرف ان کا مردہ ہونا اور ان کی ہلاکت سے کسی کا خدا کو نہ روک سکنا ہے تو کیا عزیز صاحب کی طرح آپ سے بھی سوال نہیں ہو سکتا کہ خدا نے بطلان الوہیت مسیح کے ثبوت میں ان کی ماں اور ساری دنیا کے ہلاک کرنے کا اظہار کیوں کیا۔ جبکہ الوہیت مسیح کے قائل ان کو دیگر انسانوں کے برابر اور مساوی خیال نہیں کرتے تھے۔ آپ کے دل میں بھی اس اعتراض کا خطرہ گزرا ہے چنانچہ آپ نے اس کے دفعیہ کی یوں کوشش کی ہے مسیح کے بعد امہ اور من فی الارض کے ذکر سے گویا وفات مسیح کو اور یقینی طور پر ثابت کیا گیا ہے یعنی جس طرح تم مسیح کی ماں اور اسوقت کے تمام لوگوں کی ہلاکت سے انکار نہیں کر سکتے اسی طرح مسیح کی وفات کو بھی یقینی سمجھنا چاہیے لیکن آپ خود سمجھ سکتے ہیں کہ آپ کی توجیہ اعتراض کا دفعیہ کس حد تک کر سکتی ہے آپ کو یہ بتانے کی حاجت نہیں کہ یہاں حیات و ممات مسیح کا کوئی ذکر نہیں تھا۔ بحث ان کی الوہیت و عبدیت میں تھی، پھر ان کی وفات کا ثبوت پیش کرنے کا یہ کونسا موقع تھا۔

اصل یہ ہے کہ آپ نے اس مفہوم کی بنیاد جس چیز پر قائم کی ہے اسی میں کلام ہے۔ آپ نے یہ خیال فرمایا ہے کہ آیت میں جن لوگوں کے خیال کی تردید کی گئی ہے وہ مسیح کی الوہیت کے ساتھ انکی حیات کے بھی قائل تھے اس سبب سے خدا نے مسیح کی وفات کا ثبوت دیکر ان کی الوہیت کا بطلان ظاہر کر دیا ہے۔ لیکن میں اپنے معلومات کی بنا پر اسے صحیح نہیں سمجھتا۔ اس لئے کہ نصرانیوں کے تین بڑے بڑے فرقوں میں سے کوئی بھی حیات مسیح کا قائل نہیں ہے۔ غالباً تفسیر کبیر کا یہ فقرہ آپ نے پڑھا ہوگا

ہر قسم کا عمدہ عطر صغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے منگائیے

وذالک لانھم باسرھم متفقون علی ان الیھود قتلوہ (صفحہ ۱۴۱، ۲۴۲) اس لئے میں نہیں سمجھ سکتا کہ جس بات کا وہ خود اپنے منہ سے اقرار کرتے ہیں اسی بات کو یقینی طور پر ثابت کرنے کا کیا مطلب ہو سکتا ہے چنانچہ اس کا ذکر بھی عنقریب آئیگا" توجیہ کے متعلق یہ ساری بحثیں اُس وقت پیش آئیں گی جبکہ آپ کا بیان کردہ مفہوم قواعد عربیت کی رو سے صحیح مان لیا جائے لیکن مجھے ابھی اس میں بھی تامل ہے اس لئے کہ اس مفہوم کی صحت اسپر موقوف ہے کہ کلام عرب میں - اِن - اذا کے معنی میں بھی مستعمل ہوتا ہے کیا آپ کے پاس اسکا ثبوت ہے - اس کا ثبوت دینے کے بعد آپ کو یہ بھی بیان کرنا ہوگا کہ اذا کو چھوڑ کر اِن کا استعمال کس نکتہ کی رعایت کیلئے اِن لیا گیا - آپ اِن (اگر) کو اذا (جب) ہی کے معنی میں لیجئے" لیکن - آپ یملک (مضارع) کو کیا کریں گے اسکو آپ ماضی ناتمام کے معنی میں کیسے لیں گے، تعجب ہے کہ آپ نے من یملک' کا ترجمہ کون روک سکتا تھا کس بنیاد پر کیا ہے جب تک آپ مضارع کا استعمال ماضی ناتمام کے معنی میں ثابت نہ کریں گے اسوقت تک عربیت کی رو سے آپ کا بیان کردہ مفہوم صحیح نہیں مانا جا سکتا ۔صرف ان کو اذا کے معنی میں مستعمل ماننے سے کچھ نہیں ہو سکتا - اس لئے کہ اس صورت میں آیت کا مفہوم یہ ہوگا" وہ لوگ کافر ہیں جو مسیح کو خدا کہتے ہیں ان سے کہو کہ کون روک سکتا ہے یا روکے گا اللہ کو جب اس نے ارادہ کیا مسیح ان کی ماں اور ان لوگوں کی ہلاکت کا جو زمین میں تھے -

ان وجوہ کی بنا پر عزیز صاحب کا بیان کیا ہوا مفہوم آپ کے متعینہ مفہوم سے میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے -

میں اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ یہ مفہوم بھی ظاہر نظر میں خدشات سے پاک نہیں مسیح کے بعد امہ و من فی الارض کے ذکر سے ایک بار ہر شخص کے دل میں اس مفہوم کی صحت کی نسبت اشتباہ پیدا ہو جائیگا، مگر تھوڑے سے تامل کے بعد انشاء اللہ شبہ جاتا رہیگا - آیت کا مفہوم ایسے طریقہ سے ذکر کرنا چاہتا ہوں کہ جو شبہے اس پر وارد ہوتے ہیں انکا دفعیہ ہو جائے -

لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ھو المسیح ابن مریم قل فمن یملک من اللہ شیئًا ان اراد ان یھلک المسیح ابن مریم وامہ ومن فی الارض جمیعا" اس سے کسی اہل علم کو انکار نہ ہوگا کہ آیت میں مسیح کی الوہیت کا ابطال اور اس فرقہ کے عقیدہ کی تردید منظور ہے جو ان کو خدا سمجھتا ہے - بطلان الوہیت کی دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ مسیح میں اتنی سکت نہیں ہے کہ اگر اُن کو خدا ہلاک کرنا چاہے تو وہ اسکو روک دیں اور جسمیں یہ قدرت نہیں ہوگی وہ خدا نہیں بلکہ ایک بندہ عاجز و مسکین ہے"

ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ صرف اتنا مضمون یوں ادا ہو سکتا ہے - قل فمن یملک من اللہ شیئًا ان اراد ان یھلکم لیکن خدا نے پہلے یہیں تعمیم کی اور مسیح کے ساتھ دنیا کے تمام لوگوں کو بیچارگی اور بے بسی میں شریک کر دیا اور فرمایا کہ نہ صرف مسیح بلکہ دنیا کے کسی آدمی کو بھی مجھے روکنے کی قدرت حاصل نہیں ہے -

اس عنوان کو اختیار کرنے میں یہ حکمت بالغہ ہے کہ مدعا مع شئی زائد ثابت ہو جائیگا - اور ماسوا ذات باری کے

ہر شے سے الوہیت کی نفی ہو جائیگی جب یہاں صرف حضرت مسیح ہی سے قدرت کی نفی نہیں کی گئی بلکہ عموماً ہر شخص سے اسکی نفی کی گئی تو مابعد میں بھی تعمیم مناسب ہوگی اس لئے کہ اگر صرف اتنا ہی کہا جاتا کہ۔

قل فمن یملک من اللہ ان اراد ان یہلک المسیح ابن مریم" کون روک سکتا ہے اللہ کو اگر وہ ارادہ کرے مسیح کے ہلاکت کرنے کا یعنی اگر خدا مسیح کی ہلاکت کا ارادہ کرے تو اس کو کوئی نہیں روک سکتا۔ تو دو صورتیں باقی رہ جائیں ایک کیسکا، اپنی ہلاکت سے خدا کو روک سکنا۔ دوسرے مسیح کو ماسوا کسی دوسرے کی ہلاکت سے خدا کو روک سکنا۔

لہذا ان دونوں صورتوں کے شمول کے لئے۔ وامہ ومن فی الارض کی زیادتی کی گئی۔ اب آیت کا مفہوم یہ ہوا کہ کسی کو یہ طاقت نہیں کہ خدا کو روک سکے اگر وہ مسیح کو خواہ انکی ماں یا دنیا کے کسی آدمی کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرے۔ جب ہر شخص سے اس قدرت کی نفی ہوگئی تو مسیح سے بھی استدلالی طریق سے ہوگئی اور یہی اصل مقصود تھا اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی ثابت ہوگیا کہ مسیح کے علاوہ اور کوئی بھی خدا نہیں ہو سکتا۔ من فی الارض کی زیادتی میں اسکی طرف اشارہ ہے کہ جیسے سب کے سب خدا کے سامنے مقہور و عاجز ہیں اسی طرح مسیح بھی اور جس طرح ان کے ہلاک ہونے میں کسی کو شک نہیں ہے اسی طرح مسیح بھی ہلاک ہونگے

اور چونکہ نصاریٰ من فی الارض کے مقہور و عاجز ہونے اور ان کے فنا و ہلاکت کے منکر نہیں تھے بلکہ اسکا سب کو یقین تھا۔ اس لئے اس زمانہ کے سارے آدمیوں کو ہلاک کرکے دکھا دینے کی کوئی ضرورت نہ تھی سیکڑوں آدمیوں کے نہایت بے بسی سے ہلاک ہونیکا روح فرسا نظارہ۔ اور کروروں کے فنا ہونیکی خبر متواتر اس دعوے کی تصدیق کے لئے کافی تھی اور امہ کی زیادتی میں مسیح کے مقہور و عاجز ہونے کی تاکید منظور رہے قاعدہ ہے کہ آدمی اپنے خویش و اقارب کو خصوصاً والدین اور اولاد کو ہلاکت سے بچانے کے لئے کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتا اس کی حفاظت میں دنیا بھر کی تدبیریں اور سارا زور صرف کر دیتا ہے۔ مسیح کے اور کوئی نہیں تھا صرف ایک ماں تھیں۔

اگر وہ خدائی میں حصہ دار ہوتے اور ان کو یہ طاقت ہوتی کہ خدا کو اپنی ماں کی ہلاکت سے روک دیں تو ان کی ماں مرنے پاتیں؟ ہرگز نہیں مریم دنیا سے رخصت ہوگئیں اور حضرت مسیح ان کو روک نہ سکے تو جب اپنی ماں کی ہلاکت سے خدا کو نہ روک سکے تو اور کسی کی ہلاکت سے وہ اس کو کب روک سکتے ہیں اسی پر خود ان کے حال کو بھی قیاس کر لو، کہ جب خدا ان کو مارنا چاہیگا تو وہ اس کو روک نہ سکینگے اور غالباً اسی نکتہ کی رعایت سے باوجودیکہ مادر مسیح فوت ہو چکی تھیں ان کا مفروض الہلاکت لوگوں کے سلسلہ میں نام لیا گیا اس کی وجہ سے مضمون کلام کی اور زیادہ تاکید ہوگئی۔ گویا یوں فرمایا گیا کہ خدا کو کوئی نہیں روک سکتا۔ اگر وہ مسیح ان کی ماں اور دنیا کے تمام لوگوں کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرتا چنانچہ مسیح کی ماں کو ہلاک کر چکا۔ اور کسی نے مسیح ہوں خواہ اور کوئی خدا کو نہ روکا اسی طرح مسیح کو یا اور کسی کو ہلاک کریگا

ارادہ کرے گا تو بھی اسکوئی نہ روک سکیگا۔ آیت کے مفہوم کی اس طرح تقریر کیجائے تو اسپر آپ کے مذکورۂ بالا اعتراضات میں سے ایک بھی وارد نہیں ہوتا میں نے جو تقریر کی ہے وہ علامہ ابوالسعود کی تقریر سے ماخوذ ہے۔ علامہ موصوف ارشاد العقل السلیم الی مزایا الکتاب الکریم میں فرماتے ہیں۔

(قل) ای اظہار القول ہم الفاسد (فمن یملک من اللہ شیئا) ای ان کان الامر کما تزعمون فمن یمنع من قدرتہ تعالی وارادتہ شیئا وحقیقتہ فمن یمسک شیئا منہا (ان اراد ان یہلک المسیح بن مریم وامہ ومن فی الارض جمیعا) ومن حق من یکون الہا ان لا یتعلق بہ لا بشأن من شؤنہ بل بشئ من الموجودات قدرت غیرہ لوجہ من الوجوہ فضلا عن ان یعجز عن دفع شئ منہا عند تعلقہا بہلاکہ فلما کان عجزہ بینا لاریب فیہ ظہر کونہ بمعزل مما تقولوا فی حقہ ونفی المالکیتہ المذکورۃ بالاستفہام الانکاری عن کل احد مع تحقق الالزام والتبکیت بنفیہا عن المسیح فقط بان یقال ہل یملک شیئا من اللہ ان اراد لتحقیق الحق بنفی الالوہیۃ عن کل ما عداہ سبحانہ واثباتہ المطلوب فی ضمنہ بالطریق البرہانی فان انتفاء المالکیۃ المستلزم لاستحالتہ الوہیتہ متی ظہر بالنسبتہ الی الکل ظہر بالنسبتہ الی المسیح علی ابلغ وجہ اکدہ فیظہر استحالتہ الوہیتہ قطعا وتعمیم ارادۃ الاہلاک للکل مع حصول ماذکر من التحقیق بقصرہا علیہ بان یقال فمن یملک من اللہ شیئا ان اراد ان یہلک المسیح لتہویل الخطب واظہار کمال العجز ببیان ان الکل تحت قہرہ تعالی وملکوتہ لا یقدر احد علی دفع ما ارید بہ فضلا عن دفع ما ارید بغیرہ والابذان المسیح اسوۃ لسائر المخلوقات فی کونہ عرضۃ للہلاک کما انہ اسوۃ لہا فیما ذکر من العجز وعدم استحقاق الالوہیتہ وتخصیص امہ بالذکر مع اندراجہا فی ضمن من فی الارض لزیادۃ تاکید عجز المسیح۔ ولعل نظمہا فی سلک من فرض ارادۃ اہلاکہم مع تحقیق ہلاکہا قبل ذلک لتاکید التبکیت وزیادۃ تقریر مضمون الکلام بجعل حالہا انموذجا لحال بقیۃ من فرض اہلاکہ کانہ قیل قل فمن یملک من اللہ شیئا ان اراد ان یہلک المسیح وامہ ومن فی الارض وقد اہلک امہ فہل مانعہ احد فکذا حال من عداہا من الموجودین (صفحہ ۳۸۴ تا ۳۸۵ ج ۳)

اس کے بعد اب میں آپ کی ایک دوسری دلیل کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ آپ نے مائدہ کی اس آیت سے بھی اپنے دعوی کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ ما المسیح ابن مریم الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل وامہ صدیقۃ کانا یاکلن الطعام تقریر استدلال یہ ہے اس آیت میں قد خلت من قبلہ الرسل سے نمایاں طور پر یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جس طرح اور بہت سے رسول آئے اور فنا ہوگئے اسی طرح مسیح بھی آئے اور اپنی عمر ختم کرکے چلے گئے۔ ورنہ قد خلت من قبلہ الرسل کہنے کی کیا ضرورت تھی۔ یاکلن الطعام۔ کہکر اس کو اور زیادہ واضح کردیا گیا ہے کہ جس مسیح کو تم کہتے ہو کہ خدا تھا اور اتبک زندہ ہے اس کا تو یہ حال تھا کہ معمولی آدمیوں کی طرح بقاء حیات کے لئے کھانا کھانے پر بھی

ہر قسم کا عطر صغیر علی محمد علی۔ تاجر عطر لکھنو سے منگائیے

مجبور تھا یعنی چونکہ اس کا طریق زندگی یا وسیلۂ جبر حیات عام انسانوں سے مختلف نہ تھا اس لئے عام انسانوں کی طرح اسکی وفات بھی ہوئی۔ میرے نزدیک، اس آیت سے ثبوت وفات مسیح پہلے سے بھی زیادہ تعجب خیز ہے، آپ کا اصل استدلال قد خلت من قبلہ الرسل سے ہے آپ کے خیال میں جب تک مسیح مردہ نہ مان لئے جائیں۔

قد خلت من قبلہ الرسل۔ کہنا بے ضرورت ہے میرے خیال میں آپ نے ذرا جلد بازی کی یہاں تو آپ نے مسیح کو مردہ قرار دیکر۔ قد خلت من قبلہ الرسل کو باموقعہ اور کارآمد ثابت کر دیا لیکن اس آیت میں کیا کہیں گے وما محمد رسول قد خلت من قبلہ الرسل افان مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم۔ آپ کو معلوم ہے کہ یہ آیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے کئی سال بیشتر غزوہ احد کے موقع پر نازل ہوئی تھی۔ کیا یہاں بھی آپ یہی کہینگے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک رسول تھے جس طرح اور بہت سے رسول آئے اور فنا ہوگئے اسی طرح آپ بھی آئے اور اپنی عمر ختم کرکے چلے گئے۔ کیا آیت کے نزول کے وقت یہ کہنا صحیح تھا۔ اگر صحیح تھا تو یہ آیت اور وہ تمام آیتیں جو اس سے نزول میں متاخر ہیں کس پر نازل ہوئیں۔ اور اس آیت کے نزول کے بعد سات برس تک مدینہ منورہ میں فرائض رسالت کی انجام دہی کس نے کی؟ اور اگر آپ یہ کہیں گے کہ یہ اس خیال کی بنا پر فرمایا گیا ہے جو لوگوں نے آپ کی وفات کے متعلق غلط فہمی سے قائم کرلیا تھا تو میں کہوں گا کہ مسیح والی آیت میں بھی بر سبیل تسلیم ہی فرمایا گیا ہے کہ نصاریٰ مسیح کی وفات کے معتقد تھے۔

اور حقیقت یہ ہے کہ سرے سے یہی صحیح نہیں کہ جب تک مسیح کو مردہ نہ مانا جائے۔ قد خلت الخ کہنا بے ضرورت ہے آپ تسلیم کرتے ہیں کہ آیت میں الوہیت مسیح کا بطلان ثابت کیا گیا ہے۔ ابطال کی تقریر یہ ہے کہ مسیح ابن مریم خدا نہیں ہیں جیسا کہ نصاریٰ کا خیال ہے وہ تو صرف ایک رسول ہیں ان کے پہلے بھی بہت سے رسول آچکے ہیں اور ان سے خوارق و معجزات صادر ہوئے لیکن ان کو خدا نہیں مانا جاتا تو مسیح کو کیوں مانا جاتا ہے، آخر مردہ کو زندہ کر دینا عصا کے سانپ بنا دینے سے زیادہ عجیب نہیں ہے۔ پس جب عصا کا سانپ بن جانا موسیٰ کی خدائی کی دلیل نہیں ہے تو مردہ کا زندہ ہو جانا عیسیٰ کی الوہیت کی دلیل کیوں ہو۔

یا یوں کہا جائے کہ مسیح ابن مریم صرف ایک رسول ہیں ان کے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں اور جس طرح ان کے پیشتر کے رسول گزر گئے اسی طرح مسیح بھی اپنی عمر ختم کرکے چلے جائیں گے یعنی مسیح دوسرے رسولوں کی طرح معرض ہلاکت میں ہیں اور قابل فنا ہونے میں ان کے شریک ہیں اور جو معرض ہلاکت میں ہو وہ قابل فنا ہو وہ خدا نہیں ہو سکتا۔ اور چونکہ بعض نصاریٰ مریم کی الوہیت کے بھی قائل تھے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔ یا عیسیٰ اانت قلت للناس اتخذونی و امی الٰھین اثنین ـــــــ اس لئے۔ آیت زیر بحث کے پہلے اس کے متصل ہی

صفدر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے ہمیشہ عطر منگانا چاہیئے

فرمایا۔ لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ثالث ثلثۃ اور اس اعتقاد کی تردید کے لئے فرمایا۔ وامہ صدیقۃ۔ یعنی جس طرح مسیح خدا نہیں صرف ایک رسول ہیں یونہی ان کی ماں ایک نہایت سچی (اور رسولوں کی) بڑی ماننے والی (ضد و انکار سے پاک) عورت تھیں۔ کانا یاکلن الطعام۔ ماں بیٹے دونوں کھانا کھاتے تھے یعنی عام انسانوں کی طرح وہ بھی کھاتے پیتے تھے اور اپنی زندگی اپنے قوائے جسمانی کے باقی رکھنے میں وہ اسی طرح محتاج تھے جس طرح دیگر انسان، اور جس کا یہ حال ہو کہ وہ اپنے بعض اوصاف میں تمام انسانوں کا شارک ہو اور کھانے پینے کا محتاج ہو اس کی بغیر اسکی بقا ممکن نہو وہ خدا کیونکر ہو سکتا ہے۔ وامہ صدیقۃ۔ میں یہ اشارہ بھی ہے کہ مسیح ماں سے پیدا ہوئے تھے پس وہ عدم سے وجود میں آئے تھے لہذا وہ مخلوق تھے کہ عدم کے بعد موجود ہونیوالی چیز مخلوق ہوتی ہے خدا نہیں ہوتی۔ میں نے آیت کا جو مفہوم ذکر کیا ہے اس کی بنا پر آیت کا ہر فقرہ دوسری آیت سے مربوط رہتا ہے۔ سلسلہ کہیں سے نہیں ٹوٹتا میں نہیں سمجھ سکتا کہ آپ نے یہ کیسے کہدیا کہ اگر یاکلان الطعام کے ذکر سے اس مفہوم کو علیحدہ کر دیا جائے گا تو یہ فقرہ سیاق و سباق سے بالکل بے تعلق ہو جائیگا۔ میں نے جو کچھ ذکر کیا ہے بے تکلف سمجھ میں آتا ہے اس میں کوئی ایچ پیچ نہیں اور بحمد اللہ سلف کی تفسیر کے مطابق ہے چنانچہ امام رازی تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں۔ ما المسیح ابن مریم الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل وامہ صدیقۃ ای ما ہو الا رسول من جنس الرسل الذین خلوا من قبلہ جاء بآیات من اللہ کما اتوا بامثالھا فان کان اللہ ابرأ الاکمہ واحیا الموتی علی یدہ فقد احیا العصا وجعلھا حیۃ تسعی وفلق البحر علی ید موسی وان کان خلقہ من غیر ذکر فقد خلق آدم من غیر ذکر ولا انثی۔ وامہ صدیقۃ۔ ای انھا صدقت بآیات ربھا وبکل ما اخبر عنہ ولدھا قال تعالی فی صفتھا وصدقت بکلمات ربھا وکتبہ او ان المراد بکونھا صدیقۃ غایۃ بعدھا عن المعاصی وشدت جدھا واجتھادھا فی اقامۃ مراسم العبودیۃ فان الکامل فی ہذہ الصفۃ یسمی صدیقاً قال تعالی فاولئک مع الذین انعم اللہ علیھم من النبیین ثم قال تعالی یاکلن الطعام۔ واعلم ان المقصود من ذالک الاستدلال علی فساد قول النصاری وبیانہ من وجوہ الاول ان من کان لہ ام فقد حدث بعد ان لم یکن وکل من کان کذلک کان مخلوقاً لا آلھاً۔ والثانی انھما کانا محتاجین لانھما کانا محتاجین الی الطعام اشد الحاجۃ والالہ ہو الذی یکون غنیاً عن جمیع الاشیاء فکیف یعقل ان یکون الھما الثالث الالہ۔ ہو القادر علی الخلق والایجاد فلو کان المسیح الٰھاً لقدر علی دفع الم الجوع عن نفسہ بغیر الطعام والشراب فلما لم یقدر علی دفع الضرر عن نفسہ کیف یعقل ان یکون الٰھاً للعالمین ص ۳۶ ج ۳ تا ۴۳، ۴۷

اور علامہ ابو السعود ارشاد العقل السلیم میں فرماتے ہیں۔ ما المسیح بن مریم الا رسول استینافاً مسوق لتحقیق الحق الذی لا محید عنہ وبیان حقیقۃ حالہ علیہ السلام وحال امہ بالاشارت اولا الی اشرف ما لھما من نعوت الکمال ای الرسالۃ

عطر علی محمد عطار تاجر عطر لکھنؤ سے عطر منگانا چاہیئے

والصدیقۃ التی بھا صارمن زمرۃ الکمل افراد الجنس وآخرا الی الوصف المشترک بینھما وبین جمیع افراد البشر بل الحیوان اشز۔ الالھم بطریق التدریج عن رتبۃ الاصرار عما تقولوا علیھما وارشادالھم الی التوبۃ والاستغفار ای ہو مقصور علی الرسالۃ لایکادیتخطاھا۔ وقولہ تعالی قد خلت من قبلہ الرسل) صفۃ لرسول مبنیۃ عن اتصافہ بما ینافی الالوہیۃ فان خلوالرسول السالفۃ علیھم السلام منذر بخلوہ المقتضی لاستحالۃ الوہیۃ ای ماہوالارسول کالرسل الخالیۃ من قبلہ خصہ اللہ تعالی ببعض من الآیات کما خص کلا منھم ببعض آخر منھا فان احیا الموتی علی یدہ فقد احیا العصافی ید موسی وجعلت حیۃ تسعی وہو اعجب منہ و ان خلق من غیر اب فقد خلق آدم من غیر اب ولام وہو اعرب منہ وکل ذلک من جنابہ عزوجل وانما موسی وعلیسی مظاہر شؤونہ وافعالہ وامہ صدیقہ ای ماامہ ایضا الاکسائر النساء اللاتی یلازمن الصدق والتصدیق ویبالغن بہ فما رتبتھما الارتبۃ بشرین احدھما نبی والاخر صحابی فمن این لکم ان تصفوھما بمالایوصف بہ سائر الانبیاء اوخواصھم۔ کان یاکلان الطعام استیناف مبین لما اشیر لہ من کونھما کسائر افراد البشر فی الاحتیاج الی مایحتاج الیہ کل فرد من افرادہ بل من افراد حیوان ص ۲۲ تا ۲۳ / ج ۲

کیا یہ کتابین آپ کے کتب خانہ مین نہین ہین

انقلاب فرانس۔ نہایت دلچسپ فرانسیسی ناول عہ اسرار نباتات۔ فوائد نباتات کے سربستہ راز کا انکشاف عہ مشاطۂ سخن۔ مشہور شعراء کی اصلاحون کا مجموعہ۔ عمر سیلاب خون۔ واقعات غدر کا قابل دید فسانہ عہ دیوان غالب مع شرح ومقدمہ از جناب آسی قیمت عہ مکاتیب محسن الملک وقار الملک قیمت عمر بزم خیال شعراء فارسی واردو کے مشہور لطائف عمر علم الاخلاق۔ مولوی سید کرامت حسین جو نپوری کی تصنیف عہ سیاحت زمین۔ ۸۸ دن مین بے مثل فسانہ عہ اسرار باشویزم۔ نہایت دلچسپ فسانہ کی صورت میں عمر نازنین مراکش۔ دلچسپ تاریخی ناول قیمت ۸ر اجتماع ضدین۔ اصلاح معاشرت فسانہ کی صورت میں ۶ر مشاہیر نسوان۔ عبدالسلام کی مشہور خواتین کے حالات عمر اشاعت اسلام۔ اسلام پر محسن الملک کا بہتر رسالہ قیمت ۴ر نابینا علماء ار۔ مولانا شروانی کی مشہور کتاب ۴ر احرار اسلام۔ مولانا ابوالکلام کا مشہور رسالہ ۵ر انشاء نسوان۔ عورتوں کے لئے نہایت مفید کتاب ۶ر بیگمات بنگال۔.......... ۶ر

علامہ جرجی زیدان اڈیٹر الھلال مصر کے چار نہایت مشہور عربی ناولون کا ترجمہ

حجاج بن یوسف ۸عہ — عبدالرحمان ناصر عہ — عروس مصر عہ — امین بک ۱۲ر

مینیجر نگار نظیر آباد لکھنؤ

نہایت عمدہ عطر ملنے کی جگہ صغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ

تاملات

(Meditations.)

دوسری صدی عیسوی میں، رومۃ الکبریٰ کو جہاں اور بہت سی قابل فخر خصوصیات حاصل ہوئیں وہیں ایک خصوصیت یہ بھی اس کی قسمت میں لکھی تھی کہ مارکس انٹونیس ایسا انسان اس سرزمین میں پیدا ہو اور پھر وہیں کی عنانِ حکومت بھی اپنے ہات میں لے۔

اس بادشاہ کے حالات زندگی جن کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حاکم ہونے سے زیادہ حکیم و فیلسوف تھا، نہایت دلچسپ ہیں، لیکن میرے نزدیک اُن پر اطلاع حاصل کرنے کے لئے اس کی واقعاتِ حیات کا مطالعہ اس قدر ضروری نہیں ہے، جس قدر اس کے مقالات پر غور و تامل کرنے کی ضرورت ہے۔ اس کے اقوال (جو انگریزی میں "Meditations" کے نام سے شایع ہوئے ہیں اور جن کا ترجمہ میں نے تاملات کیا ہے) مجموعہ ہیں اُن حکیمانہ نکات اور فیلسوفانہ رموز کے جنکا اظہار کم از کم ایک مستبد حکمران کی طرف سے یقیناً بے انتہا حیرت انگیز ہے۔

ہم جناب عبدالکریم خاں صاحب کے ممنون ہیں کہ انھوں نے اس مجموعہ کا ترجمہ نگار میں اشاعت کی غرض سے بھیجا ہے ہم اس کا اقتباس وقتاً فوقتاً نگار میں شائع کرتے رہیں گے ترجمہ بڑی حد تک صاف اور اصل مفہوم پر حاوی ہے۔

جس وقت یہ سلسلہ ختم ہو جائیگا اسوقت ہم مارکس کے فلسفہ سے ایک بسیط بحث کریں گے۔

(اڈیٹر)

"انسان کی حقیقی عظمت"، دولت و ثروت، حکومت و سطوت سے متعلق نہیں ہے جیسا کہ عوام سمجھتے ہیں نہ علمی قابلیت و ذہنی برتری سے جیسا کہ بعض کا گمان ہے کیونکہ بسا اوقات ذلیل ترین طبائع میں بھی علم و کمال کا جوہر پایا جاتا ہے اور اعلیٰ طبقہ کی ذلیل خوشامد اور غریب مسکین سے نفرت بعض اہل علم کا نمایاں وصف ہوا کرتا ہے۔

آدمی کی حقیقی عزت اس میں ہے کہ صداقت کے ساتھ زندگی کے اعلیٰ مقاصد کا صحیح احساس رکھتا ہو جو اپنے اور ماحول کے

ہر قسم کا عطر صفر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے خرید کیجئے

بیقینی اندازہ پر مبنی ہو نیز باقاعدہ محاسبہ زندگی پر روزانہ تبصرہ پیش نظر رہے اور اپنے علم ویقین کے مطابق استواری کیساتھ راستی کو ہر شعبۂ زندگی میں اپنا محکم دستور العمل قرار دے اور اس امر کی مطلق پروانہ ہو کہ دوسرے کیا سوچتے کہتے اور کرتے ہیں ہمیں اپنے فرض کے عملی احساس میں سرگرم اور ادائے فرض میں مستعد ہونا لازم ہے دوسروں کے اعمال واحوال سے ہم بے تعلق تو نہیں ہوسکتے اور ہونا بھی نہیں چاہئے لیکن اسی فکر میں اس قدر غلطاں وپیچاں ہوکر سرگردان وپریشاں رہنا مناسب نہیں کہ اپنی صلاح وفلاح کو بالکل نظر انداز بلکہ فراموش کردیا جائے۔

علی الصباح بیدار ہوتے ہی یہ یقین کرلو کہ آج مجھے کسی دنی الطبع، مفسد، احسان فراموش، حاسد، خودغرض، شریر ومکار انسان سے واسطہ پڑے گا۔ یہ خصائل رذیلہ دنیا میں زیادہ تر اس وجہ سے ہیں کہ ابن آدم کو نیکی بدی کا کما حقہ واقعی علم نہیں ہے۔ جہل تمام معائب کا سرچشمہ ہے، اگر بفضلہ مجھے اچھائی برائی میں تمیز اور فضائل ورذائل کا شعور ہے اور اس کی فطرت سے بھی واقفیت حاصل ہے جو بدی کا مرتکب ہوتا ہے، وہ میرا ہی ہمجنس، گوشت پوست میں شریک، عقل وتمیز میں سہیم ہونے کے علاوہ، نور قلب میں یکساں حصہ دار ہے وہ مجھے کوئی اذیت نہیں دے سکتا کیونکہ وہ مجھے بدی کے لئے مجبور نہیں کرسکتا خطاکار کی حیثیت بھی مجھ پر منکشف ہے، میرا اور اس کا تخم ہستی ایک ہی ہے ایک ہی قدرت نے ہمیں پیدا کیا ہے اور کم وبیش یکساں طور پر حکمت کا جوہر بخشا اور نور الوہیت کا حصہ دیا ہے کوئی فرد بشر مجھ کو ضرر نہیں پہنچا سکتا کیونکہ میرے اندر برائی اور بدی داخل نہیں کرسکتا یہ اپنے ہی قلب کا ظرف ہے جو بدی کی گندگی سے ملوث ہوتا ہے۔ پس کسی سے مجھے نفرت وعداوت ہرگز نہ ہونی چاہئے، ہم مثل دست وپا، چشم وگوش، دندان ولب ایک دوسرے کی مدد کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ ایک دوسرے کے خلاف ہونا فطرت کا مقابلہ کرنا ہے، باہم دست گریباں ہونا، خود کو تباہی وبربادی میں ڈالنا ہے۔

میری حقیقت کیا ہے؟ گوشت اور ہڈیوں کا ڈھانچہ، سانس، اور نفس ناطقہ، جو سینہ کے اندر ہے۔ اس کی صلاح کئے بغیر، علم بے کار محض ہے فضول موشگافی سے خود کو پریشان کرنا ابلہی ہے جو کسی طرح جائز وپسندیدہ نہیں اس علم کے اشتیاق کو چھوڑو جس کا مقصود، غرور وتکبر کے سوا کچھ نہ ہو۔ مرگ یقینی ہے پھر جو چیز یقینی ہے وہ قریب ہے۔ جسم حقیر ہے کہ وہ صرف خون واستخواں کا مجموعہ اور مفصلات اعصاب کا جال ہے۔ نفس کیا ہے؟ محض ہوا کی آمد ورفت کا سلسلہ، ہر لحظہ تازہ ہوا داخل ہوتی اور ساتھ کے ساتھ خارج ہوتی رہتی ہے جس دم یہ نہ ہو اسی وقت دم ہوا ہو جائے تیسری چیز نفس ناطقہ ہے اسی کی بدولت

تیل وعطر منگانے کا پتہ صغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ تار کا پتہ صرف حنا لکھنؤ

آدمیت کا مرتبہ بلند و بالا ہوتا ہے، اسی کی تہذیب و تنزیین کا مستقل ذکر کرنا زیبا ہے۔ اس قدر عمر ہونے آئی، پر تجھے ہنوز عقل و تمیز نہ آئی دیکھ یہ نفس امارہ کا غلام نہ ہونے پائے، ذلیل و رذیل کتے کی مانند تجھے حرص و طمع کی بیہودہ و ناشائستہ حرکات پر برانگیختہ نہ کرے تو اس کی باگ ڈور کو ڈھیلی نہ چھوڑ کہ تجھے جہاں چاہے لے جائے اپنی موجودہ قسمت پر مضطرب نہ ہو نہ مستقبل کی لایعنی فکر میں اپنی جان عزیز کو گھلا، حال سے تو بے حال نہ ہو نہ مستقبل کا غم تجھے کھائے غرض ہر لحہ نفس ناطقہ کی تہذیب کی فکر تجھ کو دامنگیر ہو۔

قدرت کا ہر ایک عطیہ فضل و کرم کا گنجینہ ہے، تمہارا حصہ بھی نظام فطرت سے جدا نہیں ہے، مشیت الٰہی سے ہر چیز کا آغاز ہوتا ہے اور وہی ہماری ضروریات سے پوری واقفیت رکھ سکتی ہے، یہ نظام تمام کائنات کے لئے مفید ہے جس کا تو بھی ایک جزو ہے۔ جو کل کائنات کے لئے مفید ہے وہ اس کے ہر جزو یعنی تیری ذات کے لئے بھی سودمند ہے مفردات و مرکبات کی تخصیص و تبدیل کے باوجود یہ کائنات محفوظ و موجود ہے، یہ اشارے تیرے لئے بس کرتے ہیں ہمیشہ ان مسلمہ اصولوں کو اپنا رہنما بنائے رہیں بے نتیجہ مطالعہ کی نمائشی حرص سے باز آ مضر یا مہمل کتاب کے شوق کو الوداع کہہ تاکہ پریشاں حالی میں دنیا کو وداع نہ کہے، تو کف افسوس ملتا ہوا دنیا سے نہ جائے بلکہ تو طمینان قلب شکر گزاری اور راستبازی کے ساتھ اپنے آخری سفر پر جائے۔

خیال کر غفلت کی نیند میں تو نے اپنی بیش قیمت عمر کا کتنا بے بہا حصہ کھویا، توفیق الٰہی نے ہر چند یاوری کرنا چاہی مگر تجھ پنبہ در گوش نے کبھی پروانہ کی بارہا تجھ کو موقع ملے مگر تیری آنکھ نہ کھلی، تجھ کو آج تک ہوش نہ آیا بالآخر اب تو تجھ کو کچھ سوچنا چاہئے کہ اس کائنات سے تیرا کیا واسطہ ہے؟ تجھ میں کس کے نور کا ظہور ہے، اس دنیائے فانی میں وقت کا ایک محدود اور غیر معین وقفہ تجھے اسی غرض خاص کے لئے دیا گیا ہے۔

خوب لطف حاصل کرو، اور جی بھر کر عیش کے لطف اٹھاؤ لیکن اسی کے ساتھ یاد رکھو کہ آخر کار اس عیش و عشرت میں تھا اپنی عزت و منزلت کی توقع سے مایوس ہو جاتا ہے۔ ہر انسان کی زندگی صرف اس کے معوضہ فرائض ہی کے لئے کافی ہو سکتی ہے، مگر افسوس اکثر آدمی اپنی تمام عمر نشۂ غفلت میں گزار دیتے ہیں۔ تو بھی دنیا کے ہزاروں مخصموں میں گرفتار ہے اور اپنی روح —— سے بے فکر غافل ہے افسوس!

ہر قسم کا عطر اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے منگائیے

کیا خارجی اشیا تجھ کو بہت پریشان کرتی ہیں؟ ذرا صبر سے کام لے، تفکرات دنیات سے جدا ہو کر جدید و مفید سرمایہ معلومات بہم پہچانے کے لئے اپنے عزیز اوقات کا کوئی حصہ کام میں لا، لیکن اس حال میں بھی اعتدال سے باہر نہ جا، کیونکہ وہ لوگ جو اپنے افعال و اعمال میں، خیالات و عادات میں کوئی خاص مدعا پیش نظر نہیں رکھتے وہ اپنی تمام سعی کو جستجوئے سراب میں ضائع کرتے ہیں۔

اپنے فرائض کے انہماک میں دوسروں سے بے تعلق ہونے سے شاذ و نادر ہی کوئی شخص مغموم ہوا ہے، لیکن وہ جو خود فراموشی میں اپنے ہی دل کی حرکات و سکنات سے بے خبر رہتے ہیں ان کا محزون ہونا لازمی ہے۔

ہمیشہ یاد رکھ کہ موجودات میں تیرا کیا رتبہ ہے اور دیگر مخلوقات سے تیرا کیا رشتہ ہے یہ کسی شخص کی مجال نہیں ہے کہ صراط مستقیم پر گامزن ہونے میں مخل ہوسکے قانون فطرت کے موافق تو اپنے ہر ایک قول و فعل میں آزاد و خود مختار ہے۔

ایک حکیم کے قول کے موافق جو جرائم شہوت کی بنا پر وقوع میں آتے ہیں وہ زیادہ تر قابل الزام ہیں بہ نسبت ان کے جو غضب کی بدولت ظہور میں آتے ہیں، جو شخص غصہ سے مشتعل ہوتا ہے وہ غیر محسوس درد و کرب کے ساتھ عقل سے بے بہرہ ہو جاتا ہے لیکن جس پر شہوت غالب ہوتی ہے وہ عارضی حظ نفسانی سے مغلوب ہو جاتا ہے اور اپنے خطاکارانہ طرز عمل میں زیادہ غیر معتدل نظر آتا ہے اور نسوانی کمزوری دکھلاتا ہے بس صحیح اور حکیمانہ قول یہی ہے کہ شہوانی جرائم زیادہ مکروہ اور قابل ملامت ہیں ایک شخص ایسا ہے جو تکلیف سے مجبور ہو کر غضب میں آتا ہے اور دوسرا وہ بالارادہ گناہ کا ارتکاب کرتا ہے اور خود کو دیدہ و دانستہ گمراہی میں مبتلا کرتا ہے۔

باقی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔باقی

عبدالکریم خاں

اصلاح سخن

ترتیب و موضوع کے لحاظ سے اردو میں پہلی کتاب جس میں جناب شوق سندیلوی نے اپنی پچھلی غزلوں کو مع ان تمام اصلاحوں کو یکجا کر دیا ہے جو مشاہیر شعراء نے دی تھیں ایک ہی وقت میں ایک ہی شعر پر اساتذۂ فن کے مختلف و متضاد رائیں اور ان کے متعدد پر لطف خطوط دیکھنے کی چیزیں ہیں قیمت تین روپے

مینیجر نگار لکھنؤ

صغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے بہترین عرقیات خریدئے

سلسلۂ استفسارات ماہ گزشتہ

ماہ مارچ کے سلسلۂ استفسارات میں جناب مولوی عبدالحمید صاحب نعمانی کا اعتراض مسئلہ ولادت و وفات مسیح پر بالکل نامکمل شائع ہوا اور آخر کا ایک ورق تحریر سے رہگیا۔ اس لئے اب باقی حصہ شائع کیا جاتا ہے۔

ماہ گزشتہ کے رسالہ صفحہ ۸۰ کی آخری سطر "الفاظ ولادت ہی سے متعلق" پر ختم ہوئی ہے۔ اس کے بعد ذیل کی عبارت کو ملاکر پڑھا جائے۔

(اڈیٹر)

ہیں، اور باقی اگرچہ ان کی ولادت سے متعلق نہیں لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہاں کن فیکون کا یوں ہی استعمال کر دیا گیا اور وہ کچھ اہمیت طلب یا غیر معمولی نہیں۔

(۵) آپ فرماتے ہیں کہ "حضرت عیسیٰ جب اپنی قوم کے پاس لائے گئے تو بچہ نہ تھے اور نہ مریم پر لوگوں نے ناجائز مولود پیدا کرنے کا الزام لگایا تھا"

اگر وہ بچہ نہ تھے تو کیف نکلم کی جگہ وما لنا ان نکلم ہونا چاہیے جس سے مسیح کی تحقیر کا منشا پورا ہو جاتا۔ ورنہ کیف نکلم کا مفاد تو یہ ہے کہ گفتگو ممکن نہیں ظاہر ہے کہ گفتگو کی حقیقت طرفین کا وہ کلام ہے جس میں اسناد صحیح ہو اور بصورت تسلیم عہد حقیقی یہ ممکن نہیں اسی لئے لوگوں نے کیف نکلم کہا۔

اگر مریم بدکاری کی ملزم نہ تھیں اور اگر الزام کی نوعیت یہود کی تحقیر و تذلیل تھی، تو اس منشاء کی تکمیل امراۃ سوء اور ما کا بغیاً سے کیونکر ہو سکتی ہے، حالانکہ ادبی (لغوی) نقطۂ نظر سے لفظ سوء مرد کی اخلاقی کمزوری اور بغی عورت کی بد عصمتی کا دوسرا نام ہے۔

(۶) آپ فرماتے ہیں "اسی لئے انھوں نے لفظ فریّا استعمال کیا جس کے معنی شخص کے ہیں جو عجیب و غریب باتیں کر یا دکھائے"

اگر یہی مفہوم صحیح ہے تو جنت بفری ہونا چاہیے اور بعیر فریّ کے مفہوم میں استعجاب و غرابت غیر ملحوظ ہے، اگر نہیں تو رد شی

دنیا بھر میں کارخانہ اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ مشہور ہے

میں دیکھنا چاہیں تو منجد کا مصنف لکھتا ہے۔ الفری۔ الامر المختلق المصنوع۔ ترجمہ بناوٹی بات اور اگر "قدیم وضع کی طرف رجوع کرنا چاہیں تو مولانا اشرف علی مدظلہ العالی بیان القرآن میں لکھتے ہیں۔ القطع علی وجہ الاصلاح او الافساد ثم شاع استعمالہ فی العظیم من الامر خیرا او صلاحا کان او شرا او فسادا قولا کان او فعلا۔ ترجمہ۔ ایک بڑی چیز خواہ وہ اچھی ہو یا بری۔

(۷) آپ فرماتے ہیں "اسکے جواب میں جو کچھ عیسیٰ نے کہا وہ قطعی ثبوت اس کا ہے کہ لوگوں نے مریمؑ پر زنا کی تہمت نہیں لگائی اور نہ حضرت عیسیٰ بن باپ کے پیدا ہوئے" واقعی ثبوت تو بالکل قطعی ہوتا اگر اک شبہ کی گنجایش نہ ہوتی جو یہ ہے۔ حضرت عیسیٰ خواہ عہد طفلی میں قوم کے پاس آئے ہوں یا بڑی عمر میں بہر حال ان کے جواب کی بنا پر مریم کا تہمت سے محفوظ رہنا غیر ضروری ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ تہمت سے متعلق جوابات وسوالات کو مجادلہ ومناظرہ کی حد تک پہنچانے کی بجائے ایسا رنگ جمائیں جسکے تسلیم کے بعد اس قسم کی سطحی اور پست بحثوں کا خاتمہ ہی ہو جائے

ظاہر ہے کہ انی عبد اللہ اتانی الکتاب وغیرہ حقائق کی تسلیم کے بعد مریم کی تہمت کا مسئلہ تار عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور ہو جاتا ہے حضرت عیسیٰ نے جو کچھ جواب دیا حقیقت یہ ہے کہ اس کے ایک ایک جملے میں مریم کی عصمت مضمر تھی۔ حضرت مسیح نے قوم کے سامنے جو کچھ کہا تھا اس کا ایک جملہ برا بوالدتی بھی ہے معلوم نہیں حضرت مسیح جیسے رحیم پیغمبر نیک سلوک اور خیر خواہی کا جذ اپنی والدہ کے لئے ہی کیوں رکھتے ہیں باپ کو اس بہتی ہوئی گنگا سے کیوں ہاتھ دھونے نہیں دیتے۔ کیا اس میں بھی کوئی لطیف اشارہ ہے کہ حضرت مسیح بلا باپ ہیں۔

ان کل شکوک کے بعد ایک اور خیال بھی قرآن مجید کی ایک آیت کی بنا پر کیا جا سکتا ہے جو سب سے زیادہ وقیع معلوم ہوتا ہے اور وہ یہ ہے ان مثل عیسیٰ عند اللہ کمثل ادم خلقہ من تراب ثم قال لہ کن فیکون (آل عمران)

ترجمہ۔ عیسیٰ کی مثال خدا کے نزدیک حضرت آدم جیسی ہے ان کو مٹی سے پیدا کیا اور کہا ہو جا بس ہو گئے۔ حضرت مسیح کی ولادت کن معنوں میں جناب آدم کی ولادت سے مماثل اور مشابہ ہے، کہیں اس کا یہ منشا تو نہیں ہے کہ ابو البشر کی تخلیق میں جب خدا کو صرف کن فیکون کہنے کی ضرورت ہوئی ہے وہ نہایت آسانی سے مسیح کی ولادت بلا باپ کے کر سکتا ہے اگر یہی منشا ہے تو آپ کو اس کا جواب بھی دینا چاہئے۔

میں دوبارہ امید کرتا ہوں کہ آپ میرے ان شبہات کو دور فرمائیں گے۔

دیوان غالب :- پاکٹ سائز لکھائی چھپائی دیدہ زیب قیمت صرف ۱ر
منیجر نگار نظیر آباد لکھنؤ

صغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے عمدہ عطر خرید کیجئے

معلومات

سکوت و سکون کی انتہا

مغرب میں تعلیمی اہتمام و اہمیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ وہاں قوم کے اندھے، بہرے اور گونگے بچوں کے لئے بھی خاص طور پر تعلیم کا انتظام کیا جا رہا ہے اور مختلف طریقوں سے اس بات کی جانچ کیجاتی ہے کہ ایک بچہ میں فطری نقائص کس حد تک پائے جاتے ہیں چنانچہ حال ہی میں لندن کے ایک امیر نے پچاس ہزار پونڈ کا عطیہ ایسے بچوں کی تعلیم کے لئے دیا تھا جس سے کانوں کے اسپتال میں ایک "خانۂ سکوت" طیار کیا گیا ہے تاکہ وہاں بہرے لڑکوں کے بہرے پن کا صحیح اندازہ کیا جا سکے۔

اس کمرے میں اس قدر سکوت و سکون ہے کہ اگر کوئی شخص پلک جھپکائے تو اس کی آواز فوراً سنی جا سکتی ہے۔ اس کمرے کی دیواریں، چھت، فرش کچھ ایسے اصول سے طیار کئے گئے ہیں کہ باہر کی کوئی آواز خواہ وہ کیسی ہی بڑی ہو اندر آ ہی نہیں سکتی۔

انگریزی میں فرطِ سکوت ظاہر کرنے کے لئے اسوقت تک یہ محاورہ رائج تھا کہ "آلپین گرنے کی آواز بھی سن لیگی"، لیکن اس کمرہ کے ہوتے ہوئے اب شاید آلپین کے گرنے کو شور قیامت سے تعبیر کیا جائے گا۔

دماغی کام کرنیوالی مشینیں

اس وقت بہت سی ایسی مشینیں رائج ہیں جو انسانی دماغ کی سی خدمات انجام دیتی ہیں۔ حال ہی میں کاروبار کی ایک نمائش میں اس قسم کی مشینیں رکھی گئی تھیں جن میں سے خاص خاص یہ ہیں

(۱) برقی ٹائپ رائٹر جس کے حروف بال کمانی کی سی روانی کیساتھ کام دیتے ہیں اور ۳۶۰ قسم کے ٹائپ اسمیں موجود ہیں

(۲) ٹکٹ لگانے کی مشین۔ یہ مشین خطوں پر ٹکٹ لگاتی ہے، ٹکٹوں کا شمار کرتی ہے، لفافوں کو تر کر کے چپکاتی ہے اور بحساب ۲۵۰ فی منٹ مُہر لگاتی ہے۔

(۳) سکہ شمار کرنے والی مشین۔ یہ مشین پچاس ہزار فی گھنٹہ ملے جلے سکوں کو شمار کرتی ہے، مختلف قیمت کے سکوں کو علحدہ کرتی ہے اور انکا پیکٹ طیار کرتی ہے

(۴) حساب رکھنے والی مشین۔ جو کھاتے مرتب کرتی ہے اور جمع خرچ کا اندراج نہایت صحت سے کرتی ہے۔

(۵) چک لکھنے والی مشین۔ یہ مشین نہایت تیزی سے چک لکھتی ہے اور اس کی تحریر میں کوئی جعلسازی نہیں ہو سکتی۔

(۶) حساب لگانے والی مشین۔ یہ مشین دس سکنڈ کے اندر ریاضی کے چھوٹے چھوٹے سوال حل کر دیتی ہے مثلاً یہ سوال:-

صغیر علی محمد عطار تاجر عطر لکھنؤ سے عطر منگانا چاہئے

اگر ۹۶۸۴۴۲ چیزوں کی قیمت ۹۹۸ پونڈ دس شلنگ، سات پنس ہے تو ایک پورے کی قیمت کیا ہوگی۔ یا ۶۹۸ پونڈ پندرہ شلنگ، نو پنس کا سود ساڑھے چھ سال کا ۲½ فی صدی کی حساب سے کیا ہوگا۔

اس مشین میں ایک ایسا آلہ لگا ہوا ہے کہ اگر مشین پر کام کرنے والا کسی جگہ غلطی کرے تو وہ فوراً مشین کو روک دیتا ہے اور بتا دیتا ہے کہ کس جگہ حساب میں غلطی ہوئی ہے۔

چاند کا سفر فلکیات کی ترقی کے سلسلہ میں سب سے زیادہ دلچسپ موضوع چاند کا سفر ہے اور یہ خیال اب مغرب کے فلکی انجینیروں میں اسقدر مقبول ہوتا جاتا ہے کہ شاید وہ دن دور نہ ہو جب چاند کا سفر عمل میں آئے اور "سیاحت ماہتاب" کے واقعی حالات کتابی صورت میں شائع ہو سکیں۔

اس مسئلہ پر یوروپ و امریکہ دونوں جگہ توجہ کی جا رہی ہے اور کوشش جاری ہے کہ ایک ملک دوسرے پر سبقت لیجائے وائنا کے دو پروفیسر ہرمن اور فرانز پانچ ٹن وزن کی ہوائی طیاری کر رہے ہیں جسے ازروے حساب دو دن میں چاند تک پہونچنا چاہیے اس کا امتحان چھوٹی چھوٹی ہوائیوں سے شروع ہوا ہے اور اس حد تک کامیابی ہوگئی ہے کہ کئی میل کی بلندی پر پہونچنے کے بعد اسپر جانے والے غبارہ کے ذریعہ سے پھر زمین تک آگئے۔ میکس ویلیر ایک نوجوان فلکی بھی انھیں اصول پر کوشش کر رہے ہیں۔ اصول یہ ہے کہ ایک جہاز سگار کی شکل کا طیار کیا جائے جس کے پیچھے کے حصہ میں تین خانے ہوں، ایک خانہ الکحل کے لئے باقی دو رقیق ہائیڈروجن کے لئے۔ اندازہ ہے کہ یہ جہاز سات میل فی سکنڈ کے حساب سے سفر کریگا۔

جسوقت یہ جہاز زمین کی حد کشش سے باہر ہو جائے گا اس وقت جہاز کے مسافر فضا میں اڑنے لگیں گے چنانچہ اس کے روکنے کے لئے تسمے یا فیتے جہاز کے دیواروں میں ہونگے جنسے مسافر اپنے آپ کو باندھ لیں گے۔

رہا یہ امر کہ جہاز کیونکر محفوظ طور پر چاند کی سطح پر اتر سکیگا اور وہاں سے واپسی کیونکر ہوگی اس کا فیصلہ ابھی نہیں ہو سکا۔ ڈاکٹر ہوف نے ایک طریقہ ایسا ایجاد کیا ہے جس سے جہاز ادھر ادھر نہ بہک سکیگا۔

حال ہی میں بمقام وائنا فلکی انجنیروں کی ایک جماعت نے فیصلہ کیا ہے کہ پہلے اس قسم کا جہاز طیار کر کے خالی روانہ کیا جائے اور پھر دوربین کے ذریعہ سے دیکھا جائے کہ اس کا سفر کہاں اور کیونکر ختم ہوتا ہے۔

تبدیل جنس ڈوسٹو وسکی کے ایک ڈاکٹر نے جس کا نام گولانیٹسکی ہے دعویٰ کیا ہے کہ غدود کی تبدیلی سے ایک مرد نہایت آسانی سے عورت بن سکتا ہے اور اسی طرح ایک عورت مرد ہو سکتی ہے۔ ڈاکٹر موصوف نے سنہ ۱۹۲۶ء میں چھ انسانوں پر یہ عمل کیا اور اب ایک علمی سوسائٹی اس کے نتائج کے متعلق تحقیق کر رہی ہے۔

۱۹ سال کی ایک لڑکی جس کا نام اینا تھا، وہ مرد بننا چاہتی تھی، کیونکہ اس کے اعضا کی ساخت اور نفسیاتی میلان کا

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنو سے ہر قسم کا عمدہ عطر خرید کیجئے

...ضا یہی تھا، چنانچہ ڈاکٹر مذکور نے ۹ مرتبہ عمل جراحی کرکے تمام غدود بدلدئے۔ اور اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بالکل مردہ ہوگئی ...ر اب اس کا نام وکٹر ہے۔

اس طرح ایک مدرسہ کے معلم پر جس کی عمر ۲۶ سال کی تھی عمل جراحی کیا گیا اور وہ عورت ہوگیا چنانچہ اب اس کی ...ی ایک مرد سے ہوگئی ہے۔

ایک اور عورت ۲۳ سال کی تھی جو یوں تو ہر لحاظ سے عورت تھی۔ لیکن دل کے لحاظ سے وہ مرد تھی اس نے خواہش کی ...س کے دیگر اعضا بھی بدلکر خصوصیات قلب کی طرح مردانہ ہوجائیں، چنانچہ اسپر بھی عمل جراحی کامیاب ثابت ہوا اور اب ...سو ویٹ فوج میں عمدہ سپاہی کی طرح خدمات انجام دے رہی ہے۔

ڈاکٹر موصوف کا بیان ہے کہ اس نوع کے عمل سے صرف انھیں ہستیوں میں کامیابی ہوسکتی ہے جن کے دماغی یا ...انی حالات کا اختلاف اس کا مقتضی ہوسکتا ہے۔ ہر شخص پر یہ عمل کامیاب نہیں ہوسکتا۔

...۱۹ء کے مطبوعات

بلاد انگلستان میں مختلف علوم کی کتابیں ۱۹۲۶ء کے دوران میں ۱۲۷۹۹ شائع ہوئی ہیں جنمیں سے ۶۶۰ علمی ہیں ۶۲۹ صنعتی، ۳۹۹ طب کی اور ۱۸۴ زراعت پر۔ اگر یہ کتابیں ...وع دار تقسیم کی جائیں تو ان کی بارہ تقسیمیں ہوسکتی ہیں لیکن ان میں پہلا نمبر قصے کہانیوں کا ہوگا اور چھٹا نمبر علمی کتابوں کا۔

...ید حیوانی لغت

پرو شیا کی اکاڈیمی نے ایک لغت جانوروں کی جنس، قسم اور ان کے ناموں کا طیار کرنا شروع کیا ہے جس کی پانچ جلدیں ہونگی۔ ہر جلد میں ۸۰۰ صفحہ ہوں گے اور ہر صفحہ میں پچاس نام۔ گویا دو لاکھ سے ...ہ جانوروں کی اسم نویسی ہوگی ظاہر ہے کہ اس لغت کی طیاری میں اُن کو ہزاروں نام وضع کرنے پڑیں گے اور ملک والے ...یمی کی اس جسارت کو بغیر چون وچرا تسلیم کرلیں گے۔ برخلاف اس کے ہندوستان کو ملاحظہ کیجئے کہ اول تو یہاں کوئی ...ی جماعت موجود ہی نہیں جو اسماء و اصطلاحات کو انجام دے اور اگر ہو۔ بھی تو اس نے اس وقت تک کوئی ایسی ذمہ دارانہ ...ت پیدا نہیں کی جو ملک سے اپنے اصطلاحات کو تسلیم کرالے۔

...ر کی بلندی

ہرم مصر کی بلندی کسی وقت ضرب المثل تھی حالانکہ وہ ۴۸۱ فٹ سے زیادہ بلند نہیں ہے اب یورپ و امریکہ میں اس سے کہیں زیادہ بلند عمارتیں پائی جاتی ہیں، چنانچہ جرمنی میں کلیسائے اُم ...س میں کلیسۂ رواں، برج ایفل (جس کی بلندی ۹۸۵ فٹ ہے) اس سے کہیں زیادہ بلند ہے

ڈٹرائٹ (امریکہ) میں ایک عمارت ہے جو ۸۰۰ فٹ اونچی ہے اور نیویارک میں ایک عمارت اور طیار ہو رہی ہے جسکی ...ی ۱۲۰۰ فٹ ہوگی۔

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے عطر منگائیے

ایک عجیب و غریب میز

امریکہ کے ایک شخص نے آٹھ ہزار دو سو ٹکڑے مختلف قسم کی لکڑیوں کے تمام دنیا سے فراہم کر کے ان کی ایک میز طیار کی ہے۔ اور اس لحاظ سے کہ اس کے کوئی لکڑی دوسری سے نہیں ملتی پہلی صنعتِ انسانی اپنی قسم کی کہلائی جا سکتی ہے۔

مختلف مقامات کی راتیں

ذیل کے نقشے سے معلوم ہوگا کہ مختلف مقامات میں طویل سے طویل رات کتنے گھنٹوں کی ہوتی ہے:-

		گھنٹے		منٹ			گھنٹے		منٹ
کایان	۱۲		۱۶		اراس	۱۶		۱۲	
بانڈجری	۱۲	″	۳۳	″	ڈبلن	۱۲	″	۳۶	″
ہیٹی	۱۳	″	۱۶	″	کوپن ہیگن	۱۷	″	۱۵	″
چیہواہوا	۱۳	″	۴۹	″	ریگا	۱۷	″	۳۶	″
صفہاں	۱۴	″	۱۴	″	اسٹاکہوم	۱۸	″	۱۵	″
الیکانٹی	۱۴	″	۴۳	″	آبو	۱۸	″	۴۴	″
کرکاسوں	۱۵	″	۱۵	″	درونتھیم	۲۰	″		
دیجون	۱۵	″	۴۶	″	ارکانگل	۲۰	″	۴۷	″
پیرس	۵	″	۵۰	″	اولیا	۲۱	″	۱۵	″

اینوٹکیس میں مسلسل ۴۵ دن تک رات رہتی ہے۔ وردہوس میں مسلسل ۶۶ دن تک
روس شمالی میں ۷۴ دن کی رات ہوتی ہے اور
جزیرہ ملفیل میں ۱۰۲ دن کی

بعض عجیب و غریب درخت

کلیفورنیا میں ایک درخت ہوتا ہے جس کی بلندی ۵۰ فٹ ہوتی ہے جس کا پھل آخروٹ کی طرح ہوتا ہے اور چھلکے سے صابون کا کام لیا جاتا ہے۔ وسط امریکہ میں ایک درخت ہے جس کے پھل گول زرد رنگ کا ہوتا ہے اور اس کا مزہ تازہ روٹی کا سا ہوتا ہے۔

وادی امیزن میں ایک درخت کا عرق بالکل گائے کے دودھ کی طرح ہوتا ہے اس کا رنگ اور مزہ سب دودھ کی مانند ہوتا ہے۔

ہر قسم کا عطر صغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے منگایئے